ذوالقعدہ ۱۴۳۲ھ

اکتوبر ۲۰۱۱ء

وَقِفُوْا یَا أَیُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ

ماہنامہ میثاق لاہور

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

بانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

اولیاءِ کرام اور ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

☆

نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی!

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی مرحوم

پھر تم انتظار کرو سرخ آندھیوں اور زلزلوں کا......!

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ﷺ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ :

((اِذَا اتُّخِذَ الْفَیْءُ دُوَلًا ' وَالْاَمَانَةُ مَغْنَمًا ' وَالزَّكَاةُ مَغْرَمًا ' وَتُعُلِّمَ لِغَیْرِ الدِّیْنِ ' وَاَطَاعَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهٗ ' وَعَقَّ اُمَّهٗ ' وَاَدْنٰی صَدِیْقَهٗ ' وَاَقْصٰی اَبَاهُ ' وَظَهَرَتِ الْاَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ ' وَسَادَ الْقَبِیْلَةَ فَاسِقُهُمْ ' وَكَانَ زَعِیْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَهُمْ ' وَاُكْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَةَ شَرِّهٖ ' وَظَهَرَتِ الْقَیْنَاتُ وَالْمَعَازِفُ ' وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ ' وَلَعَنَ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَوَّلَهَا ' فَلْیَرْتَقِبُوْا عِنْدَ ذٰلِكَ رِیْحًا حَمْرَاءَ وَزَلْزَلَةً وَخَسْفًا وَمَسْخًا وَقَذْفًا ' وَآیَاتٍ تَتَابَعُ كَنِظَامٍ بَالٍ قُطِعَ سِلْكُهٗ فَتَتَابَعَ)) (سنن الترمذی' کتاب الفتن' باب ماجاء فی علامة حلول المسخ والخسف)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب مالِ فے کو ذاتی دولت سمجھا جانے لگے' اور امانت غنیمت سمجھ کر دبا لی جایا کرے' اور زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جانے لگے' اور تعلیم دین کے علاوہ (دنیا کے لیے) حاصل کی جائے' اور انسان اپنی بیوی کی اطاعت کرنے لگے اور ماں کو ستائے' اور دوست کو قریب کرے اور باپ کو دور کرے' اور مسجدوں میں (دنیا کی باتوں کا) شور ہونے لگے' اور قبیلہ کے سردار نافرمان لوگ بن جائیں' اور گھٹیا قسم کے لوگ قوم کے سردار ہو جائیں' اور انسان کی عزت اُس کی شرارتوں کے خوف سے کی جائے' اور گانے بجانے والی عورتیں اور گانے بجانے کے سامان کی کثرت ہو جائے' اور شرابیں پی جانے لگیں' اور بعد میں آنے والے لوگ اُمت کے پچھلے (نیک) لوگوں پر لعنت کرنے لگیں — تو اُس وقت تم سرخ آندھیوں اور زلزلوں کا انتظار کرو' اور زمین میں دھنس جانے اور صورتیں مسخ ہو جانے اور آسمان سے پتھر برسنے کے بھی منتظر رہو' اور ان عذابوں کے ساتھ دوسری اُن نشانیوں کا بھی انتظار کرو جو پے در پے اس طرح ظاہر ہوں گی جیسے کسی لڑی کا دھاگہ ٹوٹ جائے اور پے در پے دانے گرنے لگیں۔''

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ (المائدۃ: ۷)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل اور اس کے میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی!

ماہنامہ میثاق لاہور

اجرائے ثانی
ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

جلد : 60
شمارہ : 10
ذُوالحِجّہ 1432ھ
اکتوبر 2011ء
فی شمارہ -/25

مُدیر:
حافظ عاکف سعید

نائب مُدیر:
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

اندرون ملک	250 روپے
بھارت و بنگلہ دیش	900 روپے
ایشیا' یورپ' افریقہ وغیرہ	1200 روپے
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ	1500 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت: 36۔ کے ماڈل ٹاؤن' لاہور 54700' فون: 3-35869501
فیکس: 35834000 ای میل: publications@tanzeem.org
ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org
مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67۔ علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو لاہور
فون: 36366638 - 36316638 فیکس: 36271241
پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

❁ عرضِ احوال ________ 3
تُوْبُوْا اِلَى اللّٰهِ!
ایوب بیگ مرزا

❁ بیانُ القُرآن ________ 5
سورۃ الاعراف (آیات ۵۹ تا ۹۳)
ڈاکٹر اسرار احمد

❁ صحبتے با اولیاء ________ 24
اولیاء کرامؒ اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ
کرن رفیق

❁ حسنِ عبادت ________ 38
نماز باجماعت میں صف بندی کا نظام
حافظ محمد زاہد

❁ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ________ 51
نبی اکرم ﷺ کے بعض اعضاءِ مبارکہ کا قرآن حکیم میں تذکرہ
حافظ محمد مشتاق ربانی

❁ سادگی اپنوں کی دیکھ ________ 57
جاہلی تعلیمی اداروں میں 'سیرت' اور 'تاریخ اسلام' کا مضمون
محمد قطب

❁ قندِ مکرّر ________ 69
نالہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی
صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی

❁ اسلام اور سائنس ________ 85
21 دسمبر 2012ء
حافظ محمد زبیر

❁ ❁ ❁

تُوبُوْا اِلَی اللّٰہِ!

قرآن پاک کی سورۃ الانعام‘ آیت ۶۵ میں اللہ ربّ العزت فرماتا ہے:

﴿قُلْ ھُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِکُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ اَوْ یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَّیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ط﴾

’’(اے نبیؐ) کہہ دیجیے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ وہ تم پر عذاب بھیجے تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تم کو گروہوں میں تقسیم کر دے اور ایک دوسرے کی طاقت کا مزہ چکھائے۔‘‘

ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ عذابِ الٰہی کے الفاظ ہمارے سیکولر ہم وطنوں کو بجلی کے کرنٹ کی طرح لگتے ہیں اور وہ ردِعمل میں چیخنا شروع کر دیتے ہیں‘ لیکن وہ خود ہی ہمیں بتا دیں کہ پاکستان کے طول و عرض میں عوام کو بدترین مصائب و آلام کا جو سامنا ہے ہم اُسے کیا نام دیں؟ پنجاب میں ڈینگی کی وبا خوفناک صورت اختیار کر گئی ہے۔ حکومت کی طرف سے پیش کردہ اعداد و شمار تو اُن مریضوں کے حوالہ سے ہیں جو ہسپتالوں کا رخ کرتے ہیں‘ جو کُل متاثرین کا شاید ایک یا دو فیصد ہوں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ لاہور بھی متاثر ہے اور تین سو کلومیٹر دور راولپنڈی اسلام آباد بھی متاثر ہیں‘ جبکہ چند کلومیٹر دور واہگہ بارڈر کے اُس پار کسی ایک شخص کی بھی اِس مرض میں مبتلا ہونے کی اطلاع نہیں۔ پنجاب کے ’’خادمِ اعلیٰ‘‘ اگرچہ بڑی دوڑ دھوپ کر رہے ہیں لیکن ع ’’مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی‘‘ سی صورتِ حال ہے۔ سندھ میں سیلاب نے نہیں‘ بارش کے پانی نے وہ تباہی مچائی ہے کہ ٹیلی ویژن کی سکرین پر نگاہ دوڑاتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ دودھ دینے والے ہزاروں جانور جو دیہاتیوں کا کُل سرمایہ ہوتے ہیں اُن کی لاشیں پانی میں تیرتی نظر آتی ہیں۔ پانی میں محصور اور ڈوبتے ہوئے‘ بنیادی ضرورتوں سے محروم انسان کھلے آسمان تلے پڑے ہیں۔ مکان زمین برد اور فصلیں تباہ ہو گئی ہیں۔ کراچی میں ٹارگٹ کلرز اگرچہ وقفہ کر رہے ہیں لیکن یہاں بھی بارشوں نے بڑی تباہی مچائی ہے۔ خیبر پختونخوا ایک عرصہ سے بارود کا ڈھیر بنا ہوا ہے۔ دہشت گردوں کو جب موقع ملتا ہے‘ اُسے دیا سلائی دکھاتے ہیں‘ درجنوں انسان ایک ہی دن میں لقمۂ اجل بن جاتے ہیں اور وہاں کی حکومت اور صاحبانِ اقتدار قلعوں میں بند ہو کر دہشت گردی کے خلاف صرف بیانات جاری کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ بلوچستان میں ٹارگٹ کلنگ اپنے عروج پر ہے۔

پنجابیوں کو بسوں سے اتار اتار کر قطار اندر قطار گولیوں سے بھون دیا جاتا ہے۔ لوگ گھروں سے اُٹھا لیے جاتے ہیں‘ پھر اُن کی مسخ شدہ لاشیں سڑکوں کے کنارے مل جاتی ہیں۔ ایک عرصہ ہوا‘ بلوچستان لبریشن آرمی کا قیام ہو چکا ہے‘ جو آزاد بلوچستان کے لیے ’’جہاد‘‘ کر رہی ہے۔ وہ سیاسی جماعتیں کہ عوام کو ریلیف دینا اور امن و امان قائم کرنا جن کی ذمہ داری ہے‘ وہ باہم دست و گریبان ہیں‘ یہاں تک کہ حکومتی اتحادی ایک دوسرے پر سنگ باری کر رہے ہیں۔ بیرونی خطرات ریڈ لائن کراس کرتے صاف دکھائی دے رہے ہیں۔ دشمن جان بہ لب جسد کے سر پر گِدھوں کی طرح منڈلا رہے ہیں‘ بلکہ کبھی کبھار چونچ یا پنجہ مار کر ٹھنڈے ہوتے جسد کو مزید زخمی بھی کر دیتے ہیں اور سر پر موجود اُس کے سانس کی گنتی کر رہے ہیں۔ جس کسی نے دروغ گوئی کا ٹھیکہ نہیں لیا ہوا اور اس کے دل میں ایمان کی کوئی رتی اگر باقی ہے تو صاف صاف بتائے کہ کیا ہم نے کوئی مبالغہ کیا ہے‘ ہم نے صورتِ حال کو کوئی بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے؟ یہ سب صحیح ہے تو پھر اِسے عذابِ الٰہی نہ کہیں تو خدارا بتاؤ کہ کیا کہیں؟؟

درحقیقت انتہائی بدقسمت اور بڑے بدبخت ہیں وہ لوگ جو اللہ کو الٰہ ماننے سے انکاری ہیں‘ جو کائنات کے خالق و مالک کو عملاً اپنا رب ہی نہیں مانتے اور نیچر اور نیچر کی قوتوں کی بھول بھلیوں میں خود کو گم کر چکے ہیں۔ ایسے لوگوں پر اللہ کا یہ فتویٰ صدفی صد صادق آتا ہے جو اُس نے سورۃ الحشر کی آیت ۱۹ میں دیا ہے۔ (ترجمہ) ’’اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو اللہ کو بھول گئے‘ تو اللہ نے اُنہیں خود اپنے آپ سے بھلا دیا۔ یہی ہیں فاسق لوگ۔‘‘ اللہ ربّ العزت قرآن پاک میں ایک جگہ اِن لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے کہ ’’حقیقت یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔‘‘ ہم سمجھتے ہیں کہ دل کے اِسی اندھے پن کے سبب آنکھوں سے کائنات کا نظارہ کرنے کے باوجود یہ لوگ خالق کائنات کو پہچاننے میں ناکام ہیں۔ پہلے کہتے تھے کہ اگر یہ عذاب الٰہی ہے تو غریب ہی اس کا نشانہ کیوں بنتے ہیں؟ ہم نے انہیں لاکھ سمجھانے کی کوشش کی‘ مثلاً یہ کہ اللہ کی سنت ہے کہ دنیا میں گندم کے ساتھ گھن بھی پستا ہے‘ آخرت میں انہیں الگ الگ کیا جائے گا۔ پھر یہ کہ اللہ آبادی کے ایک حصے کو مصائب میں مبتلا کر کے دوسروں کو عبرت حاصل کرنے کا موقع دیتا ہے۔ غریب اگر چھوٹے چھوٹے مفادات کے حصول کے لیے اللہ کی بجائے اپنے بڑوں اور سرداروں کی پیروی کریں گے تو اُن کا انجام مختلف کیسے ہو گا؟ اور جب تمہارا معاشی نظام انسانوں کی عظیم اکثریت کو غربت کی طرف دھکیل دے گا تو چاہے عذاب اُمراء کی قلیل تعداد کو بھی متاثر کر رہا ہو‘ ڈوبتے اور مرتے تو غریب ہی نظر آئیں گے‘ وغیرہ وغیرہ۔ مگر ہم جیسوں کی یہ کب سنتے ہیں! امسال اللہ نے انہیں منہ توڑ جواب دے دیا۔ ڈینگی نہ غریب کو دیکھ رہا ہے نہ امیر کی پروا کر رہا ہے۔ سندھ کے وڈیرے اور جاگیردار سیلاب کا رُخ موڑ لیتے تھے‘ بارش کے اُس تباہ کن پانی کا کیا کریں گے جو آسمان سے اتر کر اُن کی زمینوں پر ڈیرے ڈال رہا ہے۔ اربوں روپے کی فصلیں تباہ ہو چکی ہیں۔ پختونخوا اور بلوچستان کے سردار اور نواب تو پہلے ہی اپنے علاقوں سے بھاگ چکے ہیں کہ وہ دھماکوں کا نشانہ بن رہے تھے۔

(باقی صفحہ 96 پر)

دورۂ ترجمۂ قرآن

ڈاکٹر اسرار احمد

سُورۃُ الاَعۡرَاف

آیات ۵۹ تا ۶۴

لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖ فَقَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ
غَیۡرُہٗ ؕ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِہٖۤ اِنَّا
لَنَرٰىکَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ یٰقَوۡمِ لَیۡسَ بِیۡ ضَلٰلَۃٌ وَّلٰکِنِّیۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ
رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُکُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَ اَنۡصَحُ لَکُمۡ وَ اَعۡلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا
تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۲﴾ اَوَ عَجِبۡتُمۡ اَنۡ جَآءَکُمۡ ذِکۡرٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ عَلٰی رَجُلٍ مِّنۡکُمۡ
لِیُنۡذِرَکُمۡ وَ لِتَتَّقُوۡا وَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۶۳﴾ فَکَذَّبُوۡہُ فَاَنۡجَیۡنٰہُ وَ الَّذِیۡنَ مَعَہٗ
فِی الۡفُلۡکِ وَ اَغۡرَقۡنَا الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَوۡمًا عَمِیۡنَ ﴿۶۴﴾

اس رکوع سے التذکیر باَیّامِ اللّٰہ کے اس سلسلے کا آغاز ہو رہا ہے جسے قبل ازیں اس سورت کے مضامین کا ''عمود'' قرار دیا گیا ہے۔ یہاں اس سلسلے کا بہت بڑا حصہ ''انباء الرّسل'' پر مشتمل ہے۔ آگے بڑھنے سے پہلے اس اصطلاح کو اچھی طرح سمجھنا بہت ضروری ہے۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں نبیوں کا ذکر آتا ہے تو اس کا مقصد ان کی سیرت کے روشن پہلوؤں مثلاً ان کا مقام‘ تقویٰ اور استقامت وغیرہ کو نمایاں کرنا ہوتا ہے‘ جبکہ رسولوں کا ذکر بالکل مختلف انداز میں آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب بھی کوئی رسولؑ آیا تو وہ کسی قوم کی طرف بھیجا گیا‘ لہٰذا قرآن مجید میں رسولؑ کے ذکر کے ساتھ لازماً متعلقہ قوم کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ پھر رسول کی دعوت کے جواب میں اس قوم کے رویے اور ردِّعمل کی تفصیل بھی بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ پہلی قسم کے واقعات کو ''قصص الانبیاء'' کہا جا سکتا ہے۔ اس کی مثال سورۂ یوسف ہے‘ جس میں

حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات بہت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں‘ مگر کہیں بھی آپؑ کی طرف سے اس نوعیت کے اعلان کا ذکر نہیں ملتا کہ لوگو! مجھ پر ایمان لاؤ‘ میری بات مانو‘ ورنہ تم پر عذاب آئے گا اور نہ ہی ایسا کوئی اشارہ ملتا ہے کہ اس قوم نے آپؑ کی دعوت کو ردّ کر دیا اور پھر ان پر عذاب آگیا اور اُنہیں ہلاک کر دیا گیا۔

دوسری قسم کے واقعات کے لیے ''انباء الرسل'' کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ (''انباء'' جمع ہے ''نبأ'' کی‘ جس کے معنی خبر کے ہیں‘ یعنی رسولوں کی خبریں۔) اِن واقعات سے ایک اصول واضح ہوتا ہے کہ جب بھی کوئی رسول کسی قوم کی طرف آیا تو وہ اللہ کی عدالت بن کر آیا۔ جن لوگوں نے اس کی دعوت کو مان لیا وہ اہلِ ایمان ٹھہرے اور عافیت میں رہے‘ جبکہ انکار کرنے والے ہلاک کر دیے گئے۔ انباء الرسل کے سلسلے میں عام طور پر چھ رسولوںؑ کے حالات قرآن مجید میں تکرار کے ساتھ آئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ رسول صرف چھ ہیں‘ بلکہ یہ چھ رسولؑ وہ ہیں جن سے اہلِ عرب واقف تھے۔ یہ تمام رسولؑ اسی جزیرہ نمائے عرب کے اندر آئے۔ یہ رسولؑ جن علاقوں میں مبعوث ہوئے اُن کے بارے میں جاننے کے لیے جزیرہ نمائے عرب (Arabian Peninsula) کا نقشہ اپنے ذہن میں رکھیے۔ نیچے جنوب کی طرف سے اس کی چوڑائی کافی زیادہ ہے‘ جبکہ یہ چوڑائی اوپر شمال کی طرف کم ہوتی

جاتی ہے۔ اس جزیرہ نما علاقہ کے مشرقی جانب خلیج فارس (Persian Gulf) ہے جب کہ مغربی جانب بحیرۂ احمر (Read Sea) ہے جو شمال میں جا کر دو کھاڑیوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ ان میں سے ایک (شمال مغرب کی طرف) خلیج سویز ہے اور دوسری طرف (شمال مشرق کی جانب) خلیج عقبہ۔ خلیج عقبہ کے اوپر (شمال) والے کونے سے خلیج فارس کے شمالی کنارے کی طرف سیدھی لائن لگائیں تو نقشے پر ایک مثلّث (triangle) بن جاتی ہے، جس کا قاعدہ (base) نیچے جنوب میں یمن سے سلطنتِ عمان تک ہے اور اوپر والا کونہ شمال میں بحیرۂ مردار (Dead Sea) کے علاقے میں واقع ہے۔

موجودہ دُنیا کے نقشے کے مطابق اس مثلث میں سعودی عرب کے علاوہ عراق اور شام کے ممالک بھی شامل ہیں۔ یہ مثلث اس علاقے پر محیط ہے جہاں عرب کی قدیم قومیں آباد تھیں اور یہی وہ قومیں تھیں جن کی طرف وہ چھ رسول مبعوث ہوئے تھے جن کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے۔ ان میں سے جو رسول سب سے پہلے آئے وہ حضرت نوح علیہ السلام تھے۔ آپؑ کے زمانے کے بارے میں یقینی طور پر تو کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن مختلف اندازوں کے مطابق آپؑ کا زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے کوئی دو ہزار سال بعد کا زمانہ بتایا جاتا ہے (واللہ اعلم)۔ اُس وقت تک کل نسلِ انسانی بس اسی علاقے میں آباد تھی۔ جب آپؑ کی قوم آپؑ کی دعوت پر ایمان نہ لائی تو پانی کے عذاب سے انہیں تباہ کر دیا گیا۔ یہی وہ علاقہ ہے جہاں وہ تباہ کن سیلاب آیا تھا جو ’’طوفانِ نوح‘‘ سے موسوم ہے اور یہیں کوہِ جودی میں اَرارات کی وہ پہاڑی ہے جہاں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی لنگر انداز ہوئی تھی۔ پھر حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سے دوبارہ نسلِ انسانی چلی۔ آپؑ کا ایک بیٹا جس کا نام سام تھا، اس کی نسل جنوب میں عراق کی طرف پھیلی۔ اس نسل سے جو قومیں وجود میں آئیں انہیں سامی قومیں کہا جاتا ہے۔ انہی قوموں میں ایک قوم عاد تھی، جو جزیرہ نمائے عرب کے بالکل جنوب میں آباد تھی۔ آج کل یہ علاقہ بڑا خطرناک قسم کا ریگستان ہے، لیکن اُس زمانے میں قومِ عاد کا مسکن یہ علاقہ بہت سرسبز و شاداب تھا۔ اس قوم کی طرف حضرت ہود علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔ آپؑ کی دعوت کو اس قوم نے رد کیا تو یہ بھی ہلاک کر دی گئی۔ اس قوم کے بچے کھچے لوگ اور حضرت ہود علیہ السلام وہاں سے نقل مکانی کر کے مذکورہ مثلّث کی مغربی سمت جزیرہ نمائے عرب کے شمال مشرقی کونے میں خلیج عقبہ سے نیچے مغربی ساحل کے علاقے میں جا آباد ہوئے۔ ان لوگوں کی نسل کو قومِ ثمود کے نام سے جانا جاتا ہے۔

قومِ ثمود کی طرف حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ اس قوم نے بھی اپنے رسولؑ کی دعوت کو رد کر دیا، جس پر انہیں بھی ہلاک کر دیا گیا۔ یہ لوگ پہاڑوں کو تراش کر عالی شان عمارات بنانے میں ماہر تھے۔ پہاڑوں کے اندر کھدے ہوئے ان کے محلات اور بڑے بڑے ہال آج بھی موجود ہیں۔ قومِ ثمود کے اس علاقے سے ذرا اوپر خلیج عقبہ کے داہنی طرف مدین کا علاقہ ہے جہاں وہ قوم آباد تھی جن کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ مدین کے علاقے سے تھوڑا آگے بحیرۂ مردار (Dead Sea) ہے، جس کے ساحل پر سدوم اور عامورہ کے شہر آباد تھے۔ ان شہروں میں حضرت لوط علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ بہرحال یہ ساری اقوام جن کا ذکر قرآن میں بار بار آیا ہے مذکورہ مثلث کے علاقے میں ہی آباد تھیں۔ صرف قومِ فرعون اس مثلث سے باہر مصر میں آباد تھی جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ ان چھ رسولوں کے حالات پڑھنے سے پہلے ان کی قوموں کے علاقوں کا یہ نقشہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیجیے۔ زمانی اعتبار سے حضرت نوح علیہ السلام سب سے پہلے رسول ہیں، پھر حضرت ہود علیہ السلام، پھر حضرت صالح علیہ السلام، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام۔ لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر قرآن میں انباء الرسل کے انداز میں نہیں بلکہ قصص الانبیاء کے طور پر آیا ہے۔ آپؑ کے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو سدوم اور عامورہ کی بستیوں کی طرف بھیجا گیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام مدین تھا، جن کی اولاد میں حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام حجاز (مکہ) میں آباد ہوئے اور پھر حجاز میں ہی نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام تھے جن کو آپؑ نے فلسطین میں آباد کیا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے جن سے بنی اسرائیل کی نسل چلی۔ قرآن حکیم میں جب ہم انبیاء و رُسل کے تذکرے پڑھتے ہیں تو یہ ساری تفصیلات ذہن میں ہونی چاہئیں۔

آیت ۵۹ ﴿لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖ فَقَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ ؕ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۵۹﴾﴾ ’’ہم نے بھیجا تھا نوحؑ کو اُس کی قوم کی طرف تو اُس نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو، تمہارا کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہے، مجھے تمہارے بارے میں اندیشہ ہے ایک بڑے دن کے عذاب کا۔‘‘

یعنی مجھے اندیشہ ہے کہ اگر تم لوگ یونہی مشرکانہ افعال اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کا ارتکاب کرتے رہو گے تو بہت بڑے عذاب میں پکڑے جاؤ گے۔

آیت ۶۰ ﴿قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (۶۰)﴾ ''آپؑ کی قوم کے سرداروں نے کہا کہ ہم تو تمہیں ایک کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا دیکھ رہے ہیں۔''

آیت ۶۱ ﴿قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۶۱)﴾ ''آپؑ نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! میں کسی گمراہی میں مبتلا نہیں ہوں' بلکہ میں تو رسول ہوں تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے۔''

آیت ۶۲ ﴿اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (۶۲)﴾ ''میں تو تمہیں پہنچا رہا ہوں اپنے رب کے پیغامات' اور میں تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں' اور میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں۔''

مجھے تو تمام جہانوں کے پروردگار نے اس خدمت پر مامور کیا ہے کہ میں تمہیں خبردار کر دوں' تا کہ تم لوگ ایک بڑے عذاب کی لپیٹ میں آنے سے بچ جاؤ۔ میں تو تمہاری بھلائی ہی کی فکر کر رہا ہوں۔ اگر تمہارے مشرکانہ افعال اسی طرح جاری رہے تو اِن کی پاداش میں تمہارے اوپر کتنی بڑی تباہی آ سکتی ہے تم لوگوں کو اس کا کچھ بھی اندازہ نہیں' مگر مجھے اپنے پروردگار کی طرف سے اس کے بارے میں برابر آگاہ کیا جا رہا ہے۔

آیت ۶۳ ﴿اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (۶۳)﴾ ''کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک یاد دہانی تم ہی میں سے ایک فرد کے ذریعے سے آئی' تا کہ وہ تمہیں خبردار کر دے اور تم (گناہوں سے) بچ سکو اور تم پر رحم کیا جائے۔''

آیت ۶۴ ﴿فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ فِی الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ﴾ ''تو انہوں نے اُسؑ کو جھٹلایا' تو بچا لیا ہم نے اُس کو اور جو اُس کے ساتھی تھے کشتی میں' اور ہم نے غرق کر دیا ان لوگوں کو جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔''

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِیْنَ (۶۴)﴾ ''یقیناً وہ اندھے لوگ تھے۔''

یعنی وہ ایسی قوم تھی جس نے آنکھیں ہونے کے باوجود اللہ کی نشانیوں کو دیکھنے اور حق کو پہچاننے سے انکار کر دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھی اہل ایمان بہت ہی کم لوگ تھے۔ آپؑ نے ساڑھے نو سو برس تک اپنی قوم کو دعوت دی تھی اس کے باوجود بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے

تھے' جو آپؑ کے ساتھ کشتی میں سیلاب سے محفوظ رہے۔ آپؑ کے تین بیٹوں میں سے حضرت سام کی اولاد میں سے ''عاد'' نام کے ایک سردار بڑے مشہور ہوئے اور پھر ان ہی کے نام پر ''قومِ عاد'' وجود میں آئی۔ آگے اسی قوم کا تذکرہ ہے۔

آیات ۶۵ تا ۷۲

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ
اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (۶۵) قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ
وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ (۶۶) قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ
مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۶۷) اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ (۶۸)
اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ ؕ
وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ
بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (۶۹) قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ
وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ
الصّٰدِقِیْنَ (۷۰) قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ
اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ
سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ (۷۱) فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ
بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ (۷۲)

آیت ۶۵ ﴿وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ﴾ ''اور قومِ عاد کی طرف (ہم نے) ان کے بھائی ہودؑ کو بھیجا۔''

﴿قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ (۶۵)﴾ ''اُسؑ نے کہا اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو' تمہارا کوئی الٰہ اس کے سوا نہیں ہے' تو کیا تم لوگ ڈرتے نہیں؟''

حضرت ہود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو وہی پیغام دیا جو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دیا تھا۔

آیت ۶۶ ﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ﴿۶۶﴾﴾ ''آپؐ کی قوم کے سرداروں نے' جنہوں نے انکار کیا تھا' کہا کہ ہم تو تمہیں کسی حماقت میں مبتلا دیکھتے ہیں اور ہم تم کو جھوٹوں میں سے گمان کرتے ہیں۔''

یعنی تم جھوٹا دعویٰ کر رہے ہو' تم پر کوئی وحی وغیرہ نہیں آتی۔

آیت ۶۷ ﴿قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۶۷﴾﴾ ''آپؐ نے کہا اے میری قوم کے لوگو! مجھ پر کوئی حماقت طاری نہیں ہوئی بلکہ میں تو رسول ہوں تمام جہانوں کے پروردگار کی جانب سے۔''

آیت ۶۸ ﴿اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ﴿۶۸﴾﴾ ''میں تو اپنے پروردگار کے پیغامات تمہیں پہنچا رہا ہوں اور تمہارا دیانت دار خیر خواہ ہوں۔''

میں تو وہی بات ہو بہو تم تک پہنچا رہا ہوں جو اللہ کی طرف سے آ رہی ہے' اس لیے کہ مجھے تمہاری خیر خواہی مطلوب ہے۔ میں تمہارا ایسا خیر خواہ ہوں جس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

آیت ۶۹ ﴿اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ ؕ﴾ ''کیا تمہیں تعجب ہے اس بات پر کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آ گئی ہے تم ہی میں سے ایک شخص کے ذریعے تاکہ وہ تمہیں خبردار کر دے۔''

﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِی الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ﴾ ''اور ذرا یاد کرو جب اللہ نے تمہیں قومِ نوح کے بعد ان کا جانشین بنایا اور تمہیں جسمانی اعتبار سے بڑی کشادگی عطا فرمائی۔''

قومِ نوح کی سطوت ختم ہوئی اور قوم تباہ و برباد ہو گئی تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قومِ عاد کو عروج عطا فرمایا۔ یہ بڑے قدآور اور جسیم لوگ تھے۔ اس قوم کو اللہ تعالیٰ نے دنیاوی طور پر بڑا عروج بخشا تھا۔ شداد اسی قوم کا بادشاہ تھا جس نے بہشتِ ارضی بنائی تھی۔ اب اس کی جنت اور اس شہر کے کھنڈرات کا سراغ بھی مل چکا ہے۔ جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی صحرا میں ایک علاقہ ہے جہاں کی ریت بہت باریک ہے اور اس کے اوپر کوئی چیز ٹک نہیں سکتی۔ اس وجہ سے وہاں آمد و رفت مشکل ہے' کیونکہ اس ریت پر چلنے والی ہر چیز اس کے اندر دھنس جاتی ہے۔ اس علاقے میں سیٹلائٹ کے ذریعے زیرِ زمین شداد کے اس شہر کا سراغ ملا ہے' جس کی فصیل پر ۳۵ برج تھے۔

﴿فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾﴾ ''تو اللہ کے احسانات کو یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''

آیت ۷۰ ﴿قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ﴾ ''انہوں نے کہا (اے ہودؑ) کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہم صرف اللہ کی بندگی کریں جو اکیلا ہے''

﴿وَنَذَرَ مَا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ﴾ ''اور ہم چھوڑ بیٹھیں ان کو جن کو پوجتے تھے ہمارے آباء و اجداد!''

﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۷۰﴾﴾ ''تو ہم پر لے آؤ (وہ عذاب) جس کی تم ہمیں دھمکی دے رہے ہو' اگر تم سچے ہو۔''

ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ جب بھی کسی قوم پر زوال آتا تھا تو ان کے عقائد بگڑ جاتے تھے۔ اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے سیدھے راستے کو چھوڑ کر وہ قوم بت پرستی اور شرک میں مبتلا ہو جاتی تھی۔ اولیاء اللہ کی عقیدت کی وجہ سے ان کے ناموں کے بت بنائے جاتے تھے یا پھر ان کی قبروں کی پرستش شروع کر دی جاتی۔ یہ سامنے کے معبودان کو اُس اللہ کے مقابلے میں زیادہ اچھے لگتے تھے جو ان کی نظروں سے اوجھل تھا۔ ان حالات میں جب بھی کوئی رسول آ کر ایسی مشرک قوم کو بُت پرستی سے منع کرتا اور انہیں ایک اللہ کی بندگی کی تلقین کرتا' تو اپنے ماحول کے مطابق ان کا پہلا جواب یہی ہوتا کہ اپنے سارے خداؤں کو ٹھکرا کر صرف ایک اللہ کو کیسے اپنا معبود بنا لیں۔

آیت ۷۱ ﴿قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ؕ﴾ ''(ہود علیہ السلام نے) فرمایا تم پر تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور اس کا غضب واقع ہو ہی چکا ہے۔''

تمہاری اس ہٹ دھرمی کے باعث اللہ کا عذاب اور اس کا قہر و غضب تم پر مسلّط ہو چکا ہے۔

﴿اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ﴾ ''کیا تم مجھ سے جھگڑ رہے ہو ان ناموں کے بارے میں جو تم نے اور تمہارے آباء و اجداد نے رکھ لیے تھے''

یہ جو تم نے مختلف ناموں کے بُت بنا رکھے ہیں اور ان کی پوجا کرتے ہو' اُن کی حقیقت کچھ نہیں' محض چند فرضی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء و اجداد نے بغیر کسی سند کے رکھے ہوئے ہیں۔

﴿مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۷۱﴾﴾

’’اللہ نے اس کے لیے کوئی سند نہیں اُتاری۔ تو (ٹھیک ہے) تم بھی انتظار کرو‘ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔‘‘

یعنی دیکھیں کب تک اللہ تمہیں مہلت دیتا ہے اور کب اللہ کی طرف سے تم پر عذابِ استیصال آتا ہے۔

آیت ۷۲ ﴿فَاَنۡجَیۡنٰہُ وَ الَّذِیۡنَ مَعَہٗ بِرَحۡمَۃٍ مِّنَّا وَ قَطَعۡنَا دَابِرَ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا﴾ ’’تو ہم نے بچالیا اُسؑ کو اور جو (اہلِ ایمان) لوگ اُسؑ کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے‘ اور ہم نے جڑ کاٹ دی اس قوم کی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا‘‘

﴿وَمَا کَانُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۷۲﴾﴾ ’’اور نہیں تھے وہ ایمان لانے والے۔‘‘

سات دن اور آٹھ راتوں تک ایک تیز آندھی مسلسل ان پر چلتی رہی اور انہیں پٹخ پٹخ کر گراتی رہی‘ اسی آندھی کی وجہ سے وہ سب ہلاک ہو گئے۔ جب بھی کسی قوم پر عذابِ استیصال کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو اللہ کے رسولؑ اور اہلِ ایمان کو وہاں سے ہجرت کا حکم آ جاتا ہے۔ چنانچہ آندھی کے اس عذاب سے پہلے حضرت ہود علیہ السلام اور آپؑ کے ساتھی وہاں سے ہجرت کر کے چلے گئے تھے۔

آیات ۷۳ تا ۸۴

وَاِلٰی ثَمُوۡدَ اَخَاہُمۡ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ ؕ
قَدۡ جَآءَتۡکُمۡ بَیِّنَۃٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ؕ ہٰذِہٖ نَاقَۃُ اللّٰہِ لَکُمۡ اٰیَۃً فَذَرُوۡہَا تَاۡکُلۡ فِیۡۤ
اَرۡضِ اللّٰہِ وَ لَا تَمَسُّوۡہَا بِسُوۡٓءٍ فَیَاۡخُذَکُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۷۳﴾ وَ اذۡکُرُوۡۤا اِذۡ
جَعَلَکُمۡ خُلَفَآءَ مِنۡۢ بَعۡدِ عَادٍ وَّ بَوَّاَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ تَتَّخِذُوۡنَ مِنۡ
سُہُوۡلِہَا قُصُوۡرًا وَّ تَنۡحِتُوۡنَ الۡجِبَالَ بُیُوۡتًا ۚ فَاذۡکُرُوۡۤا اٰلَآءَ اللّٰہِ وَ لَا تَعۡثَوۡا فِی
الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِیۡنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِیۡنَ اسۡتَکۡبَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِہٖ لِلَّذِیۡنَ
اسۡتُضۡعِفُوۡا لِمَنۡ اٰمَنَ مِنۡہُمۡ اَتَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرۡسَلٌ مِّنۡ رَّبِّہٖ ؕ قَالُوۡۤا
اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلَ بِہٖ مُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِیۡنَ اسۡتَکۡبَرُوۡۤا اِنَّا بِالَّذِیۡۤ اٰمَنۡتُمۡ بِہٖ
کٰفِرُوۡنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَۃَ وَ عَتَوۡا عَنۡ اَمۡرِ رَبِّہِمۡ وَ قَالُوۡا یٰصٰلِحُ

ائۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتۡہُمُ الرَّجۡفَۃُ فَاَصۡبَحُوۡا
فِیۡ دَارِہِمۡ جٰثِمِیۡنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰی عَنۡہُمۡ وَ قَالَ یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُکُمۡ رِسَالَۃَ رَبِّیۡ
وَ نَصَحۡتُ لَکُمۡ وَ لٰکِنۡ لَّا تُحِبُّوۡنَ النّٰصِحِیۡنَ ﴿۷۹﴾ وَ لُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِہٖۤ
اَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَۃَ مَا سَبَقَکُمۡ بِہَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنَ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّکُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ
الرِّجَالَ شَہۡوَۃً مِّنۡ دُوۡنِ النِّسَآءِ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ ﴿۸۱﴾ وَ مَا کَانَ
جَوَابَ قَوۡمِہٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَخۡرِجُوۡہُمۡ مِّنۡ قَرۡیَتِکُمۡ ۚ اِنَّہُمۡ اُنَاسٌ
یَّتَطَہَّرُوۡنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنۡجَیۡنٰہُ وَ اَہۡلَہٗۤ اِلَّا امۡرَاَتَہٗ ۫ۖ کَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِیۡنَ ﴿۸۳﴾ وَ اَمۡطَرۡنَا
عَلَیۡہِمۡ مَّطَرًا ؕ فَانۡظُرۡ کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۸۴﴾

آیت ۷۳ ﴿وَاِلٰی ثَمُوۡدَ اَخَاہُمۡ صٰلِحًا ۘ﴾ ’’اور قوم ثمود کی طرف (بھیجا ہم نے) ان کے بھائی صالحؑ کو۔‘‘

حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے اہلِ ایمان ساتھی جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی علاقے سے ہجرت کر کے شمال مغربی کونے میں جا آباد ہوئے۔ یہ ’’حجر‘‘ کا علاقہ کہلاتا ہے۔ یہاں ان کی نسل آگے بڑھی اور پھر غالباً ’ثمود‘ نامی کسی بڑی شخصیت کی وجہ سے اس قوم کا یہ نام مشہور ہوا۔

﴿قَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ ؕ قَدۡ جَآءَتۡکُمۡ بَیِّنَۃٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ؕ﴾ ’’اُسؑ نے کہا اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے‘ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک خاص نشانی آ گئی ہے۔‘‘

حضرت صالح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو وہی دعوت دی جو اس سے پہلے حضرت نوح اور حضرت ہود علیہما السلام اپنی اپنی قوموں کو دے چکے تھے۔ یہاں بَیِّنَۃ سے مراد وہ اونٹنی ہے جو ان کے مطالبے پر معجزانہ طور پر چٹان سے نکلی تھی۔ یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ حضرت نوح اور حضرت ہود علیہما السلام کے بارے میں کسی معجزے کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ معجزے کا ذکر سب سے پہلے حضرت صالح علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے۔

﴿ہٰذِہٖ نَاقَۃُ اللّٰہِ لَکُمۡ اٰیَۃً فَذَرُوۡہَا تَاۡکُلۡ فِیۡۤ اَرۡضِ اللّٰہِ وَ لَا تَمَسُّوۡہَا بِسُوۡٓءٍ فَیَاۡخُذَکُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ﴿۷۳﴾﴾ ’’یہ اللہ کی اونٹنی ہے‘ تمہارے لیے ایک نشانی‘ تو اسے

چھوڑے رکھو کہ یہ اللہ کی زمین میں چرتی پھرے‘ اور اسے نہ چھونا کسی برے ارادے سے‘ (اگر تم نے ایسا کیا) تو ایک دردناک عذاب تمہیں آپکڑے گا۔‘‘

یہ اُونٹنی تمہارے مطالبے پر تمہاری نگاہوں کے سامنے ایک چٹان سے برآمد ہوئی ہے۔ اب اسے کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کرنا‘ ورنہ اللہ کا عذاب تمہیں آلے گا۔

آیت ۷۴ ﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ﴾ ’’اور یاد کرو جب اس نے تمہیں جانشین بنایا قومِ عاد (کی تباہی) کے بعد اور تمہیں جگہ دی زمین میں‘ تم اس کے نرم میدانوں میں محل تعمیر کرتے ہو اور پہاڑوں کو تراش کر (بھی اپنے لیے) گھر بنا لیتے ہو۔‘‘

میدانی علاقوں میں وہ عالی شان محلّات تعمیر کرتے تھے اور پہاڑوں کو تراش کر بڑے خوبصورت گھر بناتے تھے۔ اب ان محلات کا تو کوئی نام و نشان اس علاقے میں موجود نہیں‘ البتہ پہاڑوں سے تراش کر بنائے ہوئے گھروں کے کھنڈرات اُس علاقے میں آج بھی موجود ہیں۔ قومِ ثمود حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے گزری ہے اور قومِ عاد اس سے بھی پہلے تھی۔ اس طرح قومِ ثمود کا زمانہ آج سے تقریباً چھ ہزار سال پہلے کا ہے جبکہ قومِ عاد کو گزرے تقریباً سات ہزار سال ہو چکے ہیں۔

﴿فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝۷۴﴾ ’’تو اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو اور مت پھرو زمین میں فساد مچاتے۔‘‘

آیت ۷۵ ﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ﴾ ’’آپؑ کی قوم کے متکبّر سرداروں نے ان لوگوں سے کہا جو دبا لیے گئے تھے (اور) جو ان میں سے ایمان لے آئے تھے کہ (واقعی) کیا تم لوگوں کا خیال ہے کہ یہ صالح اپنے ربّ کی طرف سے بھیجا گیا ہے؟‘‘

﴿قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۝۷۵﴾ ’’انہوں نے کہا کہ (ہاں) ہم تو جو کچھ ان کو دے کر بھیجا گیا ہے اس پر ایمان رکھتے ہیں۔‘‘

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے جو غریب‘ دبے ہوئے اور کمزور لوگ تھے مگر ایمان لے آئے تھے‘ ان سے ان کے سردار بڑے متکبّرانہ انداز سے مخاطب ہو کر کہتے تھے کہ کیا تمہیں اس

بات کا یقین ہے کہ یہ صالح واقعی اپنے رب کی طرف سے بھیجے گئے ہیں؟ اس پر وہ لوگ بڑے یقین سے جواب دیتے تھے کہ جو کچھ آپؑ کے رب نے آپؑ کو دیا ہے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں اور اِن سارے احکام کو سچ جانتے ہیں۔

آیت ۷۶ ﴿قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝۷۶﴾ ’’(اس پر) وہ استکبار کرنے والے کہتے کہ جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم اس کے منکر ہیں۔‘‘

آیت ۷۷ ﴿فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ﴾ ’’تو انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی‘‘

یہ اونٹنی ان کی فرمائش پر چٹان سے برآمد ہوئی تھی‘ مگر پھر یہ ان کے لیے بہت بڑی آزمائش بن گئی تھی۔ وہ ان کی فصلوں میں جہاں چاہتی پھرتی اور جو چاہتی کھاتی۔ اس کی خوراک غیر معمولی حد تک زیادہ تھی۔ پانی پینے کے لیے بھی اس کی باری مقرر تھی۔ ایک دن ان کے تمام ڈھور ڈنگر پانی پیتے تھے‘ جبکہ دوسرے دن وہ اکیلی تمام پانی پی جاتی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ سب کچھ ان کے لیے ناقابلِ برداشت ہو گیا اور بالآخر ان سرداروں نے ایک سازش کے ذریعے اسے ہلاک کروا دیا۔

﴿وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۷۷﴾ ’’اور کہا کہ اے صالح‘ لے آؤ ہم پر وہ (عذاب) جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو اگر واقعی تم رسول ہو۔‘‘

حضرت صالح علیہ السلام سے انہوں نے چیلنج کے انداز میں کہا کہ ہم نے تمہاری اونٹنی کو تو مار ڈالا ہے‘ اب اگر واقعی تم اللہ کے رسول ہو تو لے آؤ ہمارے اوپر وہ عذاب جس کا تم ہر وقت ہمیں ڈراوا دیتے رہتے ہو۔

آیت ۷۸ ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝۷۸﴾ ’’تو انہیں آپکڑا زلزلے نے‘ پھر وہ پڑے رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے۔‘‘

آیت ۷۹ ﴿فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ۝۷۹﴾ ’’تو (صالح علیہ السلام نے) ان سے پیٹھ موڑ لی اور کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! میں نے تو تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا تھا اور میں نے (امکان بھر) تمہاری خیر خواہی کی‘ لیکن تم تو خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔‘‘

اس کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر آ رہا ہے۔ آپؑ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ آپؑ عراق کے رہنے والے تھے اور سامی النسل تھے۔ آپؑ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو رسالت سے سرفراز فرما کر سدوم اور عامورہ کی بستیوں کی طرف مبعوث فرمایا۔ یہ دونوں شہر بحیرۂ مردار (Dead Sea) کے کنارے اس زمانے کے دو بڑے اہم تجارتی مراکز تھے۔ اس زمانے میں جو تجارتی قافلے ایران اور عراق کے راستے مشرق سے مغرب کی طرف جاتے تھے وہ فلسطین اور مصر کو جاتے ہوئے سدوم اور عامورہ کے شہروں سے ہو کر گزرتے تھے۔ اس اہم تجارتی شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے ان شہروں میں بڑی خوشحالی تھی۔ مگر ان لوگوں میں مَردوں کے آپس میں جنسی اختلاط کی خباثت پیدا ہو گئی تھی جس کی وجہ سے ان پر عذاب آیا۔

حضرت لوط علیہ السلام اس قوم میں سے نہیں تھے۔ سورۃ العنکبوت (آیت ۲۶) میں ہمیں آپؑ کی ہجرت کا ذکر ملتا ہے۔ آپؑ ان شہروں کی طرف مبعوث ہو کر عراق سے آئے تھے۔ یہاں پر یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ حضرت نوح، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کا ہے، جبکہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم عصر تھے۔ یہاں حضرت ابراہیمؑ سے پہلے کے زمانے کے تین رسولوں کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر حضرت ابراہیمؑ کو چھوڑ کر حضرت لوطؑ کا ذکر شروع کر دیا گیا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ایک خاص اسلوب سے انباء الرسل کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ یعنی ان رسولوں کا تذکرہ جو اللہ کی عدالت بن کر قوموں کی طرف آئے اور ان کے انکار کے بعد وہ قومیں تباہ کر دی گئیں۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ضمن میں اس نوعیت کی کوئی تفصیل صراحت کے ساتھ قرآن میں نہیں ملتی اس لیے آپؑ کا ذکر قصص النبیین کے ذیل میں آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؑ کا تذکرہ سورۃ الاعراف کے بجائے سورۃ الانعام میں کیا گیا ہے اور وہاں یہ تذکرہ قصص النبیین ہی کے انداز میں ہوا ہے، جبکہ سورۃ الاعراف میں تمام انباء الرسل کو اکٹھا کر دیا گیا ہے۔ انباء الرسل اور قصص النبیین کی تقسیم کے اندر یہ ایک منطقی ربط ہے۔

آیت ۸۰ ﴿وَلُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِہٖۤ﴾ ''اور لوطؑ (کو بھی ہم نے بھیجا) جب اُس نے کہا اپنی قوم سے''

اگرچہ حضرت لوط علیہ السلام اس قوم میں سے نہیں تھے، لیکن ان کی طرف مبعوث ہونے اور

وہاں جا کر آباد ہو جانے کی وجہ سے ان لوگوں کو آپؑ کی قوم قرار دیا گیا ہے۔

﴿اَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَۃَ مَا سَبَقَکُمۡ بِہَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنَ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۸۰﴾﴾ ''کیا تم ایسی بے حیائی کا ارتکاب کر رہے ہو جو تم سے پہلے تمام جہان والوں میں سے کسی نے بھی نہیں کی۔''

یعنی اجتماعی طور پر پوری قوم کا ایک شرمناک فعل کو اس انداز سے اپنا لینا کہ اسے اپنا شعار بنا لینا، کھلم کھلا اس کا ارتکاب کرنا اور اس میں شرمانے کی بجائے فخر کرنا، اس سب کچھ کی مثال تاریخ انسانی کے اندر کوئی اور نہیں ملتی۔

آیت ۸۱ ﴿اِنَّکُمۡ لَتَاۡتُوۡنَ الرِّجَالَ شَہۡوَۃً مِّنۡ دُوۡنِ النِّسَآءِ ؕ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ مُّسۡرِفُوۡنَ ﴿۸۱﴾﴾ ''تم مَردوں کا رُخ کرتے ہو شہوت کے ساتھ عورتوں کو چھوڑ کر، بلکہ تم تو ہو ہی حد سے تجاوز کرنے والی قوم۔''

یعنی تمہارا یہ فعل اصولِ فطرت کے بھی خلاف ہے اور قانونِ طبعی سے بھی متصادم۔

آیت ۸۲ ﴿وَمَا کَانَ جَوَابَ قَوۡمِہٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡۤا اَخۡرِجُوۡہُمۡ مِّنۡ قَرۡیَتِکُمۡ ۚ اِنَّہُمۡ اُنَاسٌ یَّتَطَہَّرُوۡنَ ﴿۸۲﴾﴾ ''تو نہیں تھا اس کی قوم کا کوئی جواب سوائے اس کے کہ انہوں نے کہا نکالو ان کو اپنی بستی سے، یہ لوگ بڑے پاکباز بنتے ہیں۔''

ان کے پاس کوئی معقول جواب تو تھا نہیں، شرم و حیا کو وہ لوگ پہلے ہی بالائے طاق رکھ چکے تھے۔ کوئی دلیل، کوئی عذر، کوئی معذرت، جب کچھ بھی نہ بن پڑا تو وہ حضرت لوط علیہ السلام اور آپؑ کے گھر والوں کو شہر بدر کرنے کے درپے ہو گئے۔ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی اس مقامی قوم سے تعلق رکھتی تھی، اس لیے وہ آخر وقت تک اپنی قوم کے ساتھ ملی رہی۔ حضرت لوط علیہ السلام اللہ کے حکم سے اپنی بیٹیوں کو لے کر عذاب آنے سے پہلے وہاں سے نکل گئے۔

آیت ۸۳ ﴿فَاَنۡجَیۡنٰہُ وَاَہۡلَہٗۤ اِلَّا امۡرَاَتَہٗ ۫ۖ کَانَتۡ مِنَ الۡغٰبِرِیۡنَ ﴿۸۳﴾﴾ ''تو ہم نے نجات دے دی اُسؑ کو اور اُس کے گھر والوں کو، سوائے اُس کی بیوی کے، وہ ہو گئی پیچھے رہنے والوں ہی میں۔''

آیت ۸۴ ﴿وَاَمۡطَرۡنَا عَلَیۡہِمۡ مَّطَرًا ؕ فَانۡظُرۡ کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۸۴﴾﴾ ''اور ہم نے برسائی ان پر ایک بارش، تو دیکھو کیا انجام ہوا مجرموں کا!''

یہ پتھروں کی بارش تھی اور ساتھ شدید زلزلہ بھی تھا جس سے ان کی بستیاں الٹ کر بحیرہ مردار کے اندر دفن ہو گئیں۔ قومِ لوطؑ اہلِ مکہ سے زمانی اور مکانی لحاظ سے زیادہ دور نہیں تھی‘ اس قوم کے قصے اہلِ عرب کی تاریخی روایات کے اندر موجود تھے۔ چنانچہ اہلِ مکہ اس قوم کے حسرتناک انجام سے خوب واقف تھے۔

آیات ۸۵ تا ۹۳

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ
غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا
النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ
لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿٨٥﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ
عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ كُنْتُمْ قَلِیْلًا
فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿٨٦﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ
مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰی یَحْكُمَ
اللّٰهُ بَیْنَنَا ۚ وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿٨٧﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ
لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ
مِلَّتِنَا ؕ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِیْنَ ﴿٨٨﴾ قَدِ افْتَرَیْنَا عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِیْ
مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا یَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ فِیْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ
اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَی اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَیْنَنَا
وَبَیْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَیْرُ الْفٰتِحِیْنَ ﴿٨٩﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ
قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿٩٠﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ
فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿٩١﴾ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۚۛ
اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ﴿٩٢﴾ فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ

وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَیْفَ اٰسٰی عَلٰی
قَوْمٍ كٰفِرِیْنَ ﴿٩٣﴾

آیت ۸۵ ﴿وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ﴾ ’’اور قومِ مدین کی طرف (ہم نے بھیجا) ان کے بھائی شعیبؑ کو۔‘‘

حضرت شعیب علیہ السلام کا تعلق اسی قوم سے تھا‘ اس لیے آپؑ کو ان کا بھائی قرار دیا گیا۔ جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی کا نام ’قطورا‘ تھا۔ ان سے آپؑ کے کئی بیٹے ہوئے‘ جن میں سے ایک کا نام مدین تھا جو اپنی اولاد کے ساتھ خلیج عقبہ کے مشرقی ساحل پر آباد ہو گئے تھے۔ یہ علاقہ ان لوگوں کی وجہ سے بعد میں ’’مدین‘‘ ہی کے نام سے معروف ہوا۔ مدین کا علاقہ بھی اس زمانے کی بین الاقوامی تجارتی شاہراہ پر واقع تھا۔ یہ شاہراہ شمالاً جنوباً فلسطین سے یمن کو جاتی تھی۔ اس لحاظ سے اہلِ مدین بہت خوشحال لوگ تھے۔ نتیجتاً ان میں بہت سی کاروباری اور تجارتی بدعنوانیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ لہٰذا ان کی اصلاح کے لیے حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔

﴿قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ’’اُسؑ نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو‘ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے اس کے سوا۔ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل آ چکی ہے‘‘

﴿فَاَوْفُوا الْكَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿٨٥﴾﴾ ’’تو ماپ اور تول پورا کیا کرو اور لوگوں سے ان کی چیزیں کم نہ کیا کرو‘ اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد مت مچاؤ‘ یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مؤمن ہو۔‘‘

اہلِ مدین چونکہ کاروباری لوگ تھے لہٰذا ان کے ہاں جو خاص خرابی اجتماعی طور پر پیدا ہو گئی تھی وہ ماپ تول میں کمی کی عادت تھی۔ یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل زمانہ کی جن تین اقوام کا ذکر قرآن میں آیا ہے‘ یعنی قومِ نوح‘ قومِ ہود اور قومِ صالح ان میں سوائے شرک کے اور کسی خرابی کی تفصیل نہیں ملتی۔ یعنی اُس زمانے تک انسانی تمدن اتنا سادہ تھا کہ ابھی اعمال کی خرابیاں اور گندگیاں رائج نہیں ہوئی تھیں۔ تب تک انسان فطرت کے زیادہ

قریب تھا' اس لیے وہ پیچیدگیاں جو تمدن کے پھیلنے کے ساتھ بڑھتی ہیں اور وہ بدعنوانیاں جو اس پیچیدہ زندگی کی وجہ سے پھیلتی ہیں وہ ابھی ان اقوام کے افراد میں پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو جنسی برائیاں سب سے پہلے قومِ لوط میں اور مالی بدعنوانیاں سب سے پہلے اہلِ مدین میں پیدا ہوئیں۔

آیت ۸۶ ﴿وَلَا تَقۡعُدُوۡا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوۡعِدُوۡنَ﴾ ''اور نہ بیٹھا کرو ہر راستے پر ڈرانے دھمکانے کے لیے''

یعنی وہ لوگ راہزنی بھی کرتے تھے اور تجارتی قافلوں کو ڈرا دھمکا کر ان سے بھتہ بھی وصول کرتے تھے۔ ان حرکات سے بھی حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں منع کیا۔

﴿وَتَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ مَنۡ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ۚ﴾ ''اور اللہ کے راستے سے روکنے کے لیے (ہر اُس شخص کو) جو ایمان لاتا ہے اور اس راہ کو کج کرتے ہوئے۔''

﴿وَاذۡكُرُوۡۤا اِذۡ كُنۡتُمۡ قَلِيۡلًا فَكَثَّرَكُمۡ ۪ وَانۡظُرُوۡا كَيۡفَ كَانَ عَاقِبَةُ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۸۶﴾﴾ ''اور یاد کرو جبکہ تم کم تعداد میں تھے تو اللہ نے تمہاری تعداد زیادہ کر دی' اور (یہ بھی) دیکھو کہ مفسدوں کا کیسا کچھ انجام ہوتا رہا ہے۔''

آیت ۸۷ ﴿وَاِنۡ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنۡكُمۡ اٰمَنُوۡا بِالَّذِيۡۤ اُرۡسِلۡتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمۡ يُؤۡمِنُوۡا﴾ ''اور اگر تم میں سے ایک گروہ ایمان لے آیا ہے اس چیز پر جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے اور ایک گروہ ایمان نہیں لایا ہے''

﴿فَاصۡبِرُوۡا حَتّٰى يَحۡكُمَ اللّٰهُ بَيۡنَنَا ۚ وَهُوَ خَيۡرُ الۡحٰكِمِيۡنَ ﴿۸۷﴾﴾ ''تو تم صبر کرو یہاں تک کہ اللہ ہمارے مابین فیصلہ فرما دے' اور یقیناً وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔''

آیت ۸۸ ﴿قَالَ الۡمَلَاُ الَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ لَنُخۡرِجَنَّكَ يٰشُعَيۡبُ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَكَ مِنۡ قَرۡيَتِنَاۤ اَوۡ لَتَعُوۡدُنَّ فِىۡ مِلَّتِنَا ؕ﴾ ''کہا اُس کی قوم کے ان سرداروں نے جنہوں نے تکبر کی روش اختیار کی کہ اے شعیب! ہم تجھے اور جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں انہیں اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے' یا تم واپس آ جاؤ ہماری ملّت میں۔''

﴿قَالَ اَوَلَوۡ كُنَّا كٰرِهِيۡنَ ﴿۸۸﴾﴾ ''(حضرت شعیب علیہ السلام نے) فرمایا: کیا اگر ہمیں

(یہ سب کچھ) ناپسند ہو تب بھی؟''

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے متکبر سرداروں نے آپؑ اور آپؑ کے ماننے والوں سے کہا کہ اگر تم لوگ ہمارے ہاں امن اور چین سے رہنا چاہتے ہو تو تمہیں ہمارے ہی طور طریقوں اور رسم و رواج کو اپنانا ہوگا' بصورتِ دیگر ہم تم لوگوں کو اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے۔ حضرت شعیبؑ نے فرمایا کہ کیا تم لوگ زبردستی ہمیں اپنی ملت میں واپس پھیر لو گے جبکہ ہم تو ان طور طریقوں سے نفرت کرتے ہیں!

آیت ۸۹ ﴿قَدِ افۡتَرَيۡنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنۡ عُدۡنَا فِىۡ مِلَّتِكُمۡ بَعۡدَ اِذۡ نَجّٰٮنَا اللّٰهُ مِنۡهَا ؕ﴾ ''ہم اللہ پر جھوٹ گھڑنے والے ہوں گے اگر ہم تمہاری ملّت میں لوٹ آئیں' اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دے دی ہے۔''

حضرت شعیب علیہ السلام کا فرمانا تھا کہ اگر ہم دوبارہ تمہارے طور طریقوں پر واپس آ جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میرا نبوت کا دعویٰ ہی غلط تھا اور میں یہ دعویٰ کر کے گویا اللہ پر افترا کر رہا تھا۔ لیکن چونکہ میرا یہ دعویٰ سچا ہے اور میں واقعتاً اللہ کا فرستادہ ہوں لہٰذا اب میرے اور میرے ساتھیوں کے لیے تمہاری ملت میں واپس آنا ممکن نہیں۔

﴿وَمَا يَكُوۡنُ لَنَاۤ اَنۡ نَّعُوۡدَ فِيۡهَاۤ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ؕ﴾ ''اور ہمارے لیے قطعاً ممکن نہیں ہے کہ ہم اس ملت میں لوٹ آئیں' سوائے اس کے کہ اللہ جو ہمارا پروردگار ہے وہ چاہے۔''

یہ ایک بندۂ مومن کی سوچ اور اس کے طرزِ عمل کی عکاسی ہے۔ وہ نہ اپنے فکر و فلسفہ پر بھروسہ کرتا ہے اور نہ اپنی عقل و استقامت کا سہارا لیتا ہے' بلکہ صرف اور صرف اللہ کی توفیق اور تیسیر پر توکّل کرتا ہے۔ یہی وہ فلسفہ تھا جس کے مطابق حضرت شعیب علیہ السلام نے اس طرح فرمایا' حالانکہ ان کے واپس پلٹنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

﴿وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَىۡءٍ عِلۡمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلۡنَا ؕ﴾ ''اور ہمارے رب نے تو ہر شے کے علم کا احاطہ کیا ہوا ہے' ہم نے اللہ ہی پر توکّل کیا ہے۔''

﴿رَبَّنَا افۡتَحۡ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَ قَوۡمِنَا بِالۡحَقِّ وَاَنۡتَ خَيۡرُ الۡفٰتِحِيۡنَ ﴿۸۹﴾﴾ ''اے ہمارے ربّ! فیصلہ فرما دے ہمارے اور ہماری قوم کے مابین حق کے ساتھ' اور یقیناً تو

بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔‘‘

آیت ۹۰ ﴿وَقَالَ الۡمَلَاُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعۡتُمۡ شُعَیۡبًا اِنَّكُمۡ اِذًا لَّخٰسِرُوۡنَ﴿۹۰﴾﴾ ’’اور کہا اُس ؑ کی قوم کے ان سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا تھا کہ اگر تم نے شعیبؑ کی پیروی کی تو تم خسارے والے ہو جاؤ گے۔‘‘

آیت ۹۱ ﴿فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِیۡنَ﴿۹۱﴾﴾ ’’تو انہیں (بھی) آ پکڑا ایک زلزلے نے اور وہ (بھی) پڑے رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے منہ۔‘‘

آیت ۹۲ ﴿الَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا شُعَیۡبًا كَاَنۡ لَّمۡ یَغۡنَوۡا فِیۡهَا ۚ اَلَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا شُعَیۡبًا كَانُوۡا هُمُ الۡخٰسِرِیۡنَ﴿۹۲﴾﴾ ’’وہ لوگ جنہوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا تھا ایسے ہو گئے کہ جیسے کبھی اس بستی میں بسے ہی نہیں تھے‘ جن لوگوں نے شعیبؑ کی تکذیب کی وہی ہوئے خسارے والے۔‘‘

آیت ۹۳ ﴿فَتَوَلّٰی عَنۡهُمۡ وَقَالَ یٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ رِسٰلٰتِ رَبِّیۡ وَنَصَحۡتُ لَكُمۡ ۚ﴾ ’’تو وہ ان کو چھوڑ کر چل دیا یہ کہتے ہوئے کہ اے میری قوم کے لوگو! میں نے تو تمہیں پہنچا دیے تھے اپنے رب کے پیغامات اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی تھی۔‘‘

﴿فَكَیۡفَ اٰسٰی عَلٰی قَوۡمٍ كٰفِرِیۡنَ﴿۹۳﴾﴾ ’’تو اب میں کیسے افسوس کروں اس قوم پر جس نے کفر کیا ہے!‘‘

یعنی حضرت شعیب علیہ السلام نے امکانی حد تک اپنی قوم کو سمجھانے کی کوشش کی۔ پھر بھی اگر قوم نہیں مانی تو گویا ان لوگوں نے خود اپنی بربادی کو دعوت دی۔ اب ایسے لوگوں کی ہلاکت پر افسوس کرنے کا جواز بھی کیا ہے۔ لیکن حضرت شعیب علیہ السلام کے اِن الفاظ سے واضح ہو رہا ہے کہ آپؑ کو اپنی قوم کے انجام پر شدید رنج و غم اور صدمہ تھا اور ایسے موقع پر ایسے الفاظ کہنا اپنے دل کی ڈھارس بندھانے کا ایک انداز ہے۔ بہر حال حقیقت یہ ہے کہ نبی اپنی قوم اور بنی نوعِ انسان کے لیے بہت شفیق‘ مہربان اور ہمدرد ہوتا ہے اور اپنی قوم پر عذاب آنے پر اسے بہت زیادہ صدمہ ہوتا ہے۔

❀❀❀

داعی رجوع الی القرآن‘ بانی تنظیم اسلامی
محترم ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ
کے شہرۂ آفاق دورۂ ترجمۂ قرآن
پر مشتمل
بیانُ القرآن
ترجمہ و مختصر تفسیر
حصہ اول — سُورۃ الفاتحہ و سُورۃ البقرۃ مع تعارفِ قرآن
صفحات: 360، قیمت 450 روپے (پانچواں ایڈیشن)
حصہ دوم — سُورۃ آلِ عمران تا سُورۃ المائدہ
صفحات 321، قیمت 400 روپے
حصہ سوم — سُورۃ الانعام تا سُورۃ التوبہ
صفحات 331، قیمت 400 روپے
عمدہ طباعت ❀ دیدہ زیب ٹائٹل اور مضبوط جلد ❀ امپورٹڈ پیپر
ملنے کے پتے
انجمن خُدّام القرآن خیبر پختونخوا‘ پشاور
A-18 ناصر مینشن، ریلوے روڈ نمبر 2، شعبہ بازار پشاور، فون: 2584824,2214495(091)
مکتبہ خُدّام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

اولیائے کرامؒ اور ڈاکٹر اسرار احمدؒ

کرن رفیق

آج کل بعض حلقوں میں اولیائے کرام ؒ کو ماننے یا نہ ماننے پر بہت بحث ہوتی ہے' بلکہ ایک طبقہ تو ایسا ہے جن کا کل دین ہی بزعمِ خود اولیائے کرام کو ماننے' ان پر ''ایمان'' لانے' ان کے مزاروں کے مجاور بننے' ان کے عرسوں پر فضول خرچیوں اور ان کے درباروں کے لنگر کو انتہائی مقدس سمجھنے کے اردگرد ہی گھومتا ہے۔ میری اس تحریر کے پیچھے بھی ایک قریبی عزیز کے ایسے ہی طرزِ عمل کا ہاتھ ہے جن کا یہ کہنا ہے کہ اگر کوئی میرے ولیوں کو نہیں مانتا تو وہ میرا کھلا دشمن ہے اور اس سے مجھے بے انتہا نفرت ہے۔

ان لوگوں میں ایسے لوگ بھی شامل ہیں جو شریعت کا مذاق اڑتا دیکھتے ہیں' اللہ کی حدود کو توڑتے ہیں' سُنّت پر عمل پیرا ہونا تو درکنار وہ احادیثِ مبارکہ کو سننے کے لیے تیار نہیں اور ماں باپ کی نافرمانی بلاخوف وخطر کرتے ہیں' مگر میلاد یا عرس کے بارے میں کچھ بھی کہنے والے کو قتل کرنے تک تیار ہو جاتے ہیں' حالانکہ حرام کھانے' سودی کاروبار کرنے' اسراف وتبذیر کرنے اور قرآن وحدیث کو پسِ پشت ڈالنے پر ان کو خود سے یا دوسروں سے نفرت نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کی راتوں کی نیندیں اڑتی ہیں' یہاں تک کہ بے چینی یا غیرت سے ان کے چہرے کا رنگ تک سرخ نہیں ہوتا۔

اولیائے کرام ؒ کی عظمت' ان کی دین کے لیے خدمات' ان کی اللہ اور رسول ﷺ سے محبت اور ان کی کرامات سے کسی ذی شعور کو انکار نہیں' مگر ہمیں اپنے رویوں اور طرزِ عمل پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس معاملے میں اتنی شدت پسندی کیوں؟ میری زبان میں تو اتنا اثر نہیں ہے' لہٰذا میں مدرسِ قرآن' عاشقِ قرآن' قوّالِ قرآن ڈاکٹر اسرار احمد ؒ کے ایک لیکچر کو آپ سے شیئر کرتی ہوں۔ ڈاکٹر صاحب نے بہت ہی محتاط انداز سے' قرآن وسنت کا سہارا لیتے ہوئے یہ لیکچر دیا ہے۔ انہوں نے اس معاملے میں ہونے والی افراط وتفریط کو بہت اچھے انداز میں واضح کیا ہے اور اس معاملے میں ہماری رہنمائی کی ہے۔ میں قارئینِ میثاق اور

باقی تمام لوگوں کو فکر کی دعوت دیتی ہوں کہ اگر ایک صحیح العقل اور سلیم الفطرت انسان کی طرح ان کی عقل اور سمجھ ان باتوں کو قبول کرے اور دل سچ کی گواہی دے تو خدارا اپنا طرزِ عمل اور رویہ بدلیں' دینِ اسلام کے فرائض کے جامع تصور کو سمجھیں اور اس پر عمل کریں اور اپنا لائحہ عمل تیار کریں کہ انہیں سلوکِ محمدی ﷺ پر عمل پیرا ہونا ہے یا نہیں؟

یہی ہے مختصراً حکمت ولی اللہ
جسے تو مدرسہ و خانقاہ اُٹھے تو سپاہ!

اللہ تعالیٰ کے ولی کون ہیں؟

ہم ایک حدیث قدسی کا مطالعہ کرتے ہیں' جس کو امام بخاری ؒ نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے اور اس کے راوی حضرت ابوہریرہ ؓ ہیں۔ اس حدیث میں ایک ایسا تصور آ رہا ہے جس سے ان بعض باتوں کا اثبات ہوگا جو صوفیاء کے حلقے کی ہیں۔ ہمارے ہاں اس معاملے میں بڑی افراط وتفریط ہے۔ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو ان باتوں کو سرے سے غلط اور سرتاسر باطل کہتے ہیں' ان کے کسی جزو کو بھی درست خیال نہیں کرتے۔ یہ تو معاملے کا ایک رخ ہے۔ دوسری انتہا یہ ہے کہ ساری گفتگو کراماتِ اولیاء ہی کی ہو رہی ہے۔ سارا معاملہ ان کی کرامات اور خرقِ عادت واقعات پر موقوف نظر آتا ہے۔ اس حلقے کے کُل دینی تصورات اسی کے گرد گھومتے ہیں۔ بس یہی چیزیں ان کا کُل دین بن گیا ہے۔ اس معاملے میں جو نقطۂ اعتدال ہے' آیئے اس کو اس حدیث سے سمجھیں۔ حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَالَ : مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ' وَمَا تَقَرَّبَ اِلَیَّ عَبْدِیْ بِشَیْءٍ اَحَبَّ اِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْہِ ' وَمَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ ' فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَبَصَرَہُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِہٖ وَیَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِھَا وَرِجْلَہُ الَّتِیْ یَمْشِیْ بِھَا' وَلَئِنْ سَاَلَنِیْ لَاُعْطِیَنَّہٗ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِیْ لَاُعِیْذَنَّہٗ))

''بے شک اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس نے میرے کسی ولی (دوست) سے دشمنی کی تو اس کے خلاف میری طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔ اور میں نے اپنے بندے پر جو چیزیں فرض کی ہیں ان کو بجا لا کر وہ مجھ سے جو تقرب حاصل کرتا ہے تو یہ عمل مجھے محبوب ترین ہے۔ اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے مجھ سے قریب تر ہوتا رہتا ہے' یہاں تک کہ میں

اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ پس جب میں اپنے اس بندے سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے‘ اور میں اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے‘ اور میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے‘ اور اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ اور اگر وہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں لازماً اس کا سوال پورا کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں لازماً اس کو پناہ دیتا ہوں۔‘‘

لفظ ’’ولی‘‘ کا مفہوم

یہاں لفظ ’’ولی‘‘ قابل غور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ اللہ کے ولی (دوست) ہوتے ہیں۔ یہ بات قرآن مجید سے بھی بایں الفاظ ثابت ہے:

﴿اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾﴾ (یونس)

’’آگاہ رہو‘ بلاشبہ جو اللہ کے ولی ہیں ان کے لیے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے۔‘‘

پھر ولایت کا معاملہ یک طرفہ نہیں‘ بلکہ دوطرفہ ہے۔ از روئے الفاظِ قرآنی:

﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط﴾ (البقرۃ:۲۵۷)

’’اللہ اُن لوگوں کا ولی (دوست) ہے جو ایمان لائے ہیں‘ وہ ان کو تاریکیوں سے روشنی میں نکال لاتا ہے۔‘‘

یہ بات قرآن اور حدیث سے ثابت ہوگئی ہے کہ اللہ اہلِ ایمان کا ولی ہے اور اہلِ ایمان اللہ کے ولی ہیں۔ گویا ولایت کا معاملہ دوطرفہ ہے۔

اب اس لفظ ’’ولی‘‘ کو پہچاننے کی ضرورت ہے۔ اس کے مفہوم کا بھی ہم نے اپنے ذہن میں کچھ اور ہی نقشہ قائم کر رکھا ہے۔ عربی بڑی وسیع المعانی زبان ہے۔ اس میں بہت سے الفاظ قریب المعانی ہوتے ہیں‘ لیکن ان میں ایک لطیف فرق ضرور ہوتا ہے۔ عربی میں دوست کے لیے جو الفاظ مستعمل ہیں‘ ان میں سے ہر ایک کے مفہوم میں فرق ہے۔ جیسے ’’صدیق‘‘ کے معنی میں سچّی اور بے تکلفی کی دوستی کا عنصر شامل ہوتا ہے‘ اور ’’رفیق‘‘ کے معنی میں باہمی دمسازی و ہمدردی کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ یہ رِفق سے بنا ہے اور ایک دوسرے کے دکھ کو محسوس کرنے والے ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔ اسی دوستی کے لیے ایک لفظ ’’خلیل‘‘ ہے۔ یہ خُلّت سے بنا ہے‘ اس کے معنی میں محبت بھری دوستی کا عنصر غالب ہوتا ہے۔ جیسے قرآن میں یہ لفظ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اس طرح ’’ولی‘‘ بھی بڑا وسیع المعانی لفظ ہے‘ اس میں ’’پشت پناہ‘ حمایتی‘ مددگار اور دوست کے مفاہیم شامل ہیں۔

ولایت کی شرطِ لازم: حمیتِ دینی

اس حدیث سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ولی کو ذلیل ہوتا نہیں دیکھ سکتا۔ واضح رہے کہ ایک ہے تکلیف میں نہ دیکھ سکنا اور ایک ہے ذلّت و رسوائی کو برداشت نہ کرنا‘ جس کو غیرت و حمیت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہت غیور ہے اور وہ اپنے کسی ولی اور دوست کی ذلت و رسوائی کو برداشت نہیں کرتا۔ اسی طرح جو اللہ کے ولی ہیں وہ اس کے دین کے لیے غیرت و حمیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات کے لیے تو کوئی مدد نہیں چاہیے‘ اُسے اپنے لیے تو کوئی پشت پناہ درکار نہیں۔ اللہ تعالیٰ عاجز نہیں ہے کہ اسے اپنی ذات کے لیے کسی حمایتی کی ضرورت ہو (معاذ اللہ!)۔ سورۂ بنی اسرائیل کے آخر میں الفاظ آئے ہیں:

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ﴾ (آیت ۱۱۱)

’’اور نہ وہ عاجز ہے کہ کوئی اس کا پشتیبان ہو۔‘‘

اللہ کو جو حمایت‘ پشت پناہی اور غیرت وحمیت درکار ہے وہ اپنے دین کے لیے ہے۔ اپنے دین کے لیے وہ مدد کی پکار بھی لگاتا ہے۔ چنانچہ سورۃ الصّف میں فرمایا:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ﴾ (آیت ۱۴)

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کے مددگار بنو۔‘‘

اللہ کے دین کے لیے پیسہ خرچ کرنا اللہ کو قرضِ حسنہ دینا ہے‘ جبکہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جدّوجہد کرنا اللہ کی مدد اور نصرت شمار ہوگی۔ اللہ کے دین کی غیرت وحمیت ہوگی تو یہ ہے اللہ کی ولایت‘ یہ ہے حقیقی ولایت۔ وہ ولایت ہرگز نہیں ہے کہ اللہ کا دین سرنگوں ہو تو ہوا کرے‘ حدود اللہ پامال ہوں تو ہوتی رہیں‘ شعائرِ دین کا مذاق اڑ رہا ہے تو اڑتا رہے۔ وہ اپنی تہجد میں‘ نوافل میں‘ اپنے مراقبوں اور چلّوں میں مگن ہے۔ یہ ولایت نہیں‘ یہ عبادت گزاری نہیں‘ بلکہ یہ تو منہ پر دے ماری جانے والی چیز ہے۔

یہاں وہ حدیث سامنے رکھیں جو ایک مؤمن کے جسم وجاں پر لرزہ طاری کر دیتی ہے اور قلبِ حساس کانپ کانپ جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَوْحَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰى جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنِ اقْلِبْ مَدِيْنَةَ كَذَا وَكَذَا بِاَهْلِهَا: قَالَ فَقَالَ: يَا رَبِّ اِنَّ فِيْهَا عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ‘ قَالَ فَقَالَ: اَقْلِبْهَا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ فَاِنَّ وَجْهَهٗ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً

قَطُّ!) (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

’’اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ فلاں فلاں بستیوں کو اُن کے رہنے والوں سمیت اُلٹ دو!‘‘ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر جبریلؑ نے عرض کیا: ’’اے میرے ربّ! ان میں تو تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے چشم زدن کی مدت تک بھی تیری معصیت میں بسر نہیں کی!‘‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’اُلٹ دو انہیں پہلے اس پر پھر دوسروں پر‘ اس لیے کہ اس کے چہرے کی رنگت کبھی میری (غیرت اور حمیت کی) وجہ سے متغیّر نہیں ہوئی۔‘‘

غور کریں اس بندۂ عابد کی عبادت گزاری کی شہادت کون دے رہا ہے اور کیا دے رہا ہے؟ گواہی حضرت جبرائیل علیہ السلام دے رہے ہیں‘ کوئی کرائے کا وکیل نہیں ہے۔ اور گواہی یہ دی جا رہی ہے کہ اس بندۂ عابد نے آنکھ جھپکنے کی مدت بھی اللہ کی معصیت میں بسر نہیں کی۔ یہاں کوئی مبالغہ نہیں ہے‘ ایک شخص کی ذاتی عبادت اور نیکی کا یہ عالم ہے‘ لیکن اللہ تعالیٰ نے حکم صادر فرمایا: ’’الٹو پہلے اس پر پھر دوسروں پر‘‘۔ کیوں؟ ’’اس لیے کہ اس کے چہرے کا رنگ میری (غیرت وحمیت) کی وجہ سے کبھی متغیّر نہیں ہوا‘‘۔ یہ بے غیرت اور بے حمیت انسان اسی سزا کا حق دار ہے کہ میرا عذاب پہلے اس پر نازل ہو‘ پھر دوسروں پر۔

حمیت و غیرتِ دین دراصل ایمان باللہ کا اہم ترین تقاضا ہے۔ اس حمیت و غیرتِ حق کے بغیر نہ ولایت کی کوئی ادنیٰ سی نسبت ہے‘ نہ کوئی انفرادی عبادت‘ کوئی زہد اور کوئی ریاضت اللہ کے ہاں مقبول ہے۔ تواصی بالحق‘ امر بالمعروف‘ نہی عن المنکر‘ دعوت الی اللہ‘ اعلائے کلمۃ اللہ کی سعی و جُہد‘ اسی غیرتِ حق اور حمیتِ دینی کے عملی مظاہر ہیں۔ یہ دین کی پشت پناہی اور نصرت ہے۔ ان چیزوں سے اگر زندگی خالی ہے اور انفرادی عبادت ہے‘ زہد ہے‘ وظائف و اوراد ہیں‘ تو ولایت کی نسبت کا کوئی سوال نہیں۔ ان تمام ریاضتوں کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پرکاہ کے برابر بھی نہ وقعت ہے اور نہ وزن ہے۔ کسی کی والدہ کی شان میں کوئی شخص گستاخانہ بات کہہ بیٹھے تو اس کے پورے جسم کا خون چہرے پر جمع ہو جائے گا‘ وہ مرنے مارنے پر تُل جائے گا‘ لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی ہوتی رہے‘ دین کا مذاق اڑتا رہے اور کوئی اپنی نفلی عبادت و ریاضت میں مگن رہے تو اسے ولایت سے کیا نسبت ہو سکتی ہے؟ یہ تو ابلیس کا مشن ہے۔ بقول اقبال ؎

مست رکھو ذکر و فکرِ صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے!

چنانچہ ولایت کا حقیقی مفہوم ہے غیرت حق‘ حمیت دینی‘ دین کی پشت پناہی‘ اس کی نصرت‘ اس کے غلبہ و اقامت کے لیے جہاد و قتال۔ اگر ولی کا یہ تصور آپ کی سمجھ میں آ جائے گا تو پھر اس کا منطقی نتیجہ بھی سمجھ میں آ جائے گا کہ: ’’جس نے میرے کسی ولی سے عداوت رکھی اُس کے خلاف میرا اعلانِ جنگ ہے!‘‘ جو شخص ہمہ تن میرے دین کا حمایتی بنا ہوا ہے اُسے میں چھوڑ دوں‘ یہ کیسے ممکن ہے! جو میرا ولی ہے میں بھی اس کا ولی ہوں۔ میں اپنے ولی سے عداوت رکھنے والے سے جنگ کروں گا۔ البتہ اللہ کی جنگ ہماری آپس کی جنگ کی طرح نہیں ہوتی۔ وہ تلوار لے کر نہیں آتا۔ اللہ چال چلتا ہے اور خفیہ تدبیر بھی کرتا ہے۔ اللہ کی چالوں میں سے ایک چال ڈھیل دینا اور رسی دراز کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کافروں کی رسّی دراز کرتا ہے تاکہ وہ ذرا اور جری ہو جائیں۔ اس کے بعد پھر اللہ کی پکڑ آتی ہے۔ از روئے قرآن:

﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾﴾ (القلم)

’’ہم ایسے طریقے سے ان کو بتدریج تباہی کی طرف لے جائیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہو گی۔‘‘

ایک شخص غلط راستے پر جا رہا ہے اور لوگوں کو اپنی پیروی کی دعوت دے رہا ہے‘ ایک ہجوم اس کے پیچھے لگ گیا ہے‘ زندہ باد کے نعرے ہیں‘ پھولوں کی بارش ہے‘ اس کے ہاتھ پاؤں چومے جا رہے ہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ میں کامیاب ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ استدراج ہے‘ اللہ ڈور ڈھیلی کر رہا ہے‘ کانٹا حلق میں پھنسا ہوا ہے اور وہ جا کہیں نہیں سکتا۔ یہ مہلت ہے۔ آگے فرمایا: ﴿وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۴۵﴾﴾ ’’میں اُن کی رسّی دراز کر رہا ہوں‘ یقیناً میری چال بہت مضبوط اور پختہ ہے۔‘‘

بہرحال ولایت ایک دو طرفہ نسبت ہے بندے اور ربّ کے درمیان۔ اور جس نے بھی اللہ کے ولی سے دشمنی رکھی اس کے خلاف اللہ تعالیٰ اعلانِ جنگ فرما چکا۔ دراصل ولایت ہے ہی غیرت وحمیتِ دینی اور دین کی نصرت و پشت پناہی کا نام۔

تقرّب الی اللہ کے ذرائع

ماقبل بیان کردہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے کہ میرا قُرب حاصل کرنے کے دو ذرائع ہیں۔ یہاں یہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جا سکتا ہے اور کیا جانا

چاہیے۔ یہ کوئی نظریاتی یا خیالی بات نہیں ہے۔ پوری شریعت‘ پوری طریقت اور کُل سلوک کا لُبِ لُباب ہے ’’تقرّب الی اللہ‘‘۔ شریعت‘ طریقت اور سلوک تینوں کے معانی میں چلنے کا مفہوم ہے۔ اور چلنا کس لیے ہوتا ہے؟ منزل سے قریب ہونے کے لیے! منزل کیا ہے؟ قربِ الٰہی۔ اب دوسرے الفاظ دیکھئے: صراط‘ صراطِ مستقیم‘ صراط السّوی‘ سواء السّبیل‘ قصد السبیل‘ ان سب الفاظ میں راستے کا مفہوم مشترک ہے۔ راستے کا مقصود منزل کا حصول ہوتا ہے اور منزل کیا ہے؟ اللہ کا تقرب۔ قرآن حکیم کے الفاظ ہیں:

﴿وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ﴾ (النحل:۹)

’’اور اللہ کے ذمّے ہے سیدھا راستہ بتانا جبکہ ٹیڑھے راستے بھی بہت سے ہیں۔‘‘

قصد السّبیل وہ سیدھا راستہ ہے جو اللہ کی طرف لے جاتا ہے‘ جیسے آپ کہتے ہیں کہ یہ سڑک وہاں جا کر ختم ہوتی ہے۔ اِدھر اُدھر اور بھی راستے ہیں جو آپ کو بھٹکا دیں گے۔

حدیث میں تقرّب الی اللہ کے دو ذرائع بتائے گئے ہیں: (۱) تقرب بالفرائض (۲) تقرب بالنوافل۔ دونوں میں بڑی پیاری نسبت ہے۔ تقرب بالفرائض اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب اور پسند ہے۔ چنانچہ فرمایا: ’’اور میرا بندہ میری کسی پسندیدہ شے کے ذریعے میرا قرب حاصل کرنا چاہے تو جو میں نے اس پر فرض کیا ہے اس سے بڑھ کر کسی اور ذریعے سے حاصل نہیں کر سکتا‘‘۔ یہ ہے تقرب بالفرائض۔ دوسرا ہے تقرب بالنوافل۔ ایک وہ چیز ہے جو اللہ نے لازم کر دی ہے۔ ایک اس سے آگے کا مرحلہ ہے جو ایک بندۂ مؤمن اپنی آزاد مرضی سے کرتا ہے‘ وہ نفل ہے۔ یہ تقسیم دین کے ہر میدان میں ہے۔ پانچ وقت نماز فرض ہے‘ اس کے علاوہ نفل نمازیں بھی ہیں۔ اسی طرح صدقاتِ واجبہ‘ زکوٰۃ‘ عشر ہے‘ جبکہ صدقاتِ نافلہ بھی ہیں۔ رمضان کے روزے فرض ہیں‘ باقی نفلی روزے جو جتنے چاہے رکھے۔ صاحبِ استطاعت پر ایک مرتبہ حج فرض ہے‘ اس کے بعد وہ جتنے چاہے حج کرے‘ وہ نفل ہیں۔ گویا نفل کی کوئی حد نہیں‘ اس میں جو جتنا آگے بڑھ سکتا ہے بڑھ جائے۔ آگے فرمایا: ’’اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے مجھ سے قریب تر ہوتا رہتا ہے‘ یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں‘‘۔ آگے دیکھئے کہ محبوبیتِ خداوندی کے لیے الفاظ کیا آئے ہیں۔ اگر کوئی انسان یہ بات کہتا تو کافر و مشرک قرار پاتا۔ اگر یہ کسی انسان کا کلام ہوتا تو نہ جانے کتنی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتیں‘ مگر کلام اللہ کا ہے اور نقل کون کر رہے ہیں؟ الصّادق والمصدوق جناب محمدؐ رسول اللہ ﷺ: ’’پس جب

میں اپنے اس بندے سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے‘ اور میں اس کی بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے‘ اور میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے‘ اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔‘‘

آگے فرمایا: ’’اور اگر وہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں لازماً اس کا سوال پورا کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں لازماً اس کو پناہ دیتا ہوں۔‘‘

کراماتِ اولیاء کا اثبات

اس حدیث کے مطالب و مفاہیم سے جو ایک لازمی نتیجہ نکلتا ہے اس کو جان لیں۔ کراماتِ اولیاء کے لیے یہ حدیث سند ہے۔ اللہ جس بندے کا پاؤں بن جائے اس کی رفتار کو کون ناپ سکتا ہے؟ برق کی رفتار بھی کہیں پیچھے رہ جائے گی۔ اسی طرح جس کی وہ آنکھ بن جائے اس کے بارے میں یہ سوچا جا سکتا ہے کہ اس نے یہ کیسے دیکھ لیا؟ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں مسجد نبوی کے منبر پر بیٹھے شام کا میدان جنگ کیسے دیکھ لیا؟ یہ ’’کیسے‘‘ کا سوال اگر کسی کے دماغ میں آئے گا تو یہ حماقت اور پاگل پن ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ)) (ترمذی)

’’مؤمن کی فراست سے بچو‘ کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھ رہا ہوتا ہے۔‘‘

ایکسریز آپ کے جسم میں سے گزر جائیں تو اس کی خفیف ترین چیز کو بھی ظاہر کر دیتی ہیں‘ تو اللہ کا نور کس کس چیز کو چیر جائے گا! ؎

گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دل وجود
گاہ اُلجھ کے رہ گئی میرے توہمات میں!

یہ کیفیت ہے جو کبھی کبھی طاری ہوتی ہے۔ خود نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((وَلٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَسَاعَةً)) (مسلم)

’’اے حنظلہ! یہ کیفیات مستقلاً نہیں ہوا کرتیں‘ کبھی کبھی نصیب ہوتی ہیں۔‘‘

پس اس حدیث سے اصولاً کراماتِ اولیاء کا اثبات ہوتا ہے۔ جو شخص اس حدیث کو مانتا ہے اسے اس بات کو بھی ماننا پڑے گا۔ اسے ان تمام باتوں کو تسلیم کرنا ہو گا جو اس حدیث میں بیان ہوئی ہیں۔ البتہ ان کو ہم امکانی حد تک درست تسلیم کریں گے۔ کسی معیّن واقعہ کے متعلق یہ حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ ٹھیک ہے یا غلط۔ ہو سکتا ہے کوئی استدراج یا امہال و تمہیل کا معاملہ ہو‘

یا شیطان نے کسی کو کوئی بات سجھا دی ہو‘ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس لیے کہ شیطان کے وار سے صرف نبی محفوظ ہوتا ہے‘ باقی کوئی شخص محفوظ نہیں۔ بڑے سے بڑا ولی محفوظ نہیں۔ محفوظیت اور معصومیت صرف انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے۔ لہٰذا بڑے سے بڑے ولی کو بھی کسی وقت شیطان چکمہ دے سکتا ہے۔ اس نے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو چکمہ دینے کی کوشش کی۔ احادیث میں ایسے واقعات موجود ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے ایسے چند واقعات سن کر صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ تم نے پہچانا نہیں‘ یہ شیطان تھا! ساتھ ہی آپؐ نے خبردار فرما دیا:

((مَنْ رَآنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِیْ ، فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَتِیْ)) (متفق علیہ)

’’جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے مجھے ہی دیکھا ہے‘ کیونکہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا۔‘‘

اب اگر کوئی یہ کہے کہ خواب میں شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کی روح نے مجھ سے یہ کہا تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی شیطانِ لعین نے کوئی الٹی پٹی پڑھائی ہو اور کہا ہو کہ میں شیخ عبدالقادر جیلانی کی روح ہوں۔

ان دونوں چیزوں کو سامنے رکھیں۔ مطلقاً انکار کر دینا کہ ہو ہی نہیں سکتا‘ ناممکن ہے‘ محال ہے‘ یہ طرزِ فکر اس حدیث کے خلاف ہے۔ اللہ اپنے اولیاء کا کان بنتا ہے‘ آنکھ بنتا ہے‘ پاؤں بنتا ہے‘ یہ اس حدیث سے ثابت ہے۔ لیکن کسی معین واقعے کے بارے میں حتمیت‘ قطعیت اور یقین کے ساتھ ہم نہیں کہہ سکتے یہ صحیح ہے یا غلط۔ کسی شخصِ معین پر ایمان لانے کا ہمیں مکلّف نہیں ٹھہرایا گیا۔ محمد رسول اللہ ﷺ آخری ہستی ہیں جن پر ایمان لانے کا مطالبہ ہے۔ آگے نہ ابوبکر صدیق پر نہ عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر ایمان لانے کا مطالبہ ہے اور نہ ہی کسی اور صحابی پر۔ تو جب خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ایمان لانے کا مطالبہ نہیں ہے تو اولیاء اللہ پر‘ چاہے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ ہوں یا معین الدین اجمیری رحمہ اللہ‘ جو بھی ہوں‘ ایمان لانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معصوم نہیں مانتے۔ ان سے بھی خطا ہو سکتی ہے‘ لیکن خطائے اجتہادی ہو گی‘ اس میں بدنیتی یا نفسانیت ہرگز نہیں ہو گی۔ چنانچہ اولیاء اللہ سے بھی غلطیوں کا صدور ممکن ہے۔ لہٰذا ایک تو یہ توازن پیدا کرنا ہے کہ ان چیزوں کا بالکل انکار کر دینا دراصل دین کی ایک اہم اور بڑی حقیقت کی طرف سے آنکھ بند کر لینا ہے۔ اگرچہ تعیّن

کے ساتھ کسی بات کی نہ تو ہم تصدیق کریں گے‘ نہ توثیق کریں گے‘ اور نہ تکذیب کریں گے۔ وہ جانے اور اس کا رب جانے۔ ہمارے لیے اصل دلیل اور حجت صرف کتاب اللہ اور سنّت رسول ﷺ ہے۔ تصوّف کے حلقے میں یہ بات مانی جاتی ہے کہ کسی ولی کا کشف دوسرے کے لیے دلیل و حجت نہیں ہے۔ ہاں اگر صاحبِ کشف کو یہ اطمینان ہے کہ مجھ پر صحیح بات منکشف ہوئی ہے تو وہ اس کے لیے دلیل و حجت ہو جائے گا۔ اگر اسے یقین ہو جائے کہ یہ کشف خدائی الہام اور رحمانی القاء ہے تو وہ اس پر حجت ہے‘ بشرطیکہ وہ کتاب و سنت کے منافی نہ ہو۔ اصولی طور پر اس بات کو صوفیاء کے حلقے بھی تسلیم کرتے ہیں۔

ہمارا سلوک: سلوکِ محمدی ﷺ

یہ نہ سمجھئے کہ ہم کسی سلوک کے قائل نہیں ہیں۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم سلوکِ محمدی ﷺ پر چلنا چاہتے ہیں۔ ہم نے سلوک اور سنت کو جمع کر لیا ہے۔ ہم نے سلوک کے غلط تصورات کو چھوڑا ہے‘ جہاں نچلی منزل کی تعمیر کے بغیر اوپر کی منزل کی تعمیر کی کوشش ہوتی ہے‘ جہاں حمیت دینی اور غیرت دینی کا معاملہ خارج از بحث ہو گیا ہے۔ ہم نے ان تصورات کو ترک کیا ہے تو علیٰ وجہ البصیرت ترک کیا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ تصوف کے جو مطلوبہ مقاصد ہیں ہم ان کو نہیں مانتے۔ تصوف کا اصل موضوع تطہیر قلب اور تعمیر سیرت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس کا اصل منبع و سرچشمہ قرآن حکیم ہے جو شِفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ بھی ہے‘ هُدًى لِّلنَّاسِ بھی ہے‘ اَلذِّکْر بھی ہے‘ الذِّکریٰ بھی ہے‘ ربیع قلب بھی ہے‘ نورِ صدر بھی ہے‘ جلاءِ حزن بھی ہے اور ذَھَابُ ھَمٍّ وَّغَمٍّ بھی ہے۔ لہٰذا ہمارے نزدیک تزکیۂ نفس کا اصل ذریعہ ہے قرآن۔ اس کا لُبِّ لُباب ہے ایمان اور ایمان کا لب لباب ہے توکّل اور راضی بہ رضائے رب رہنا۔ یہی تصوّف کا حاصل ہے۔ کون اس کا انکار کر سکتا ہے! معاملہ ذرائع کا ہے۔ ہم نے سلوکِ محمدی اختیار کیا ہے جس کا منبع و سرچشمہ قرآن حکیم ہے۔

سلوکِ محمدی ﷺ میں قرآن کی اہمیت

تصوف کے میدان میں اہم ترین بحث ذکر کی ہے‘ لیکن ہمارا تصورِ ذکر مروّجہ تصورِ ذکر سے مختلف ہے۔ ہمارے نزدیک اصل ذکر‘ حقیقی ذکر‘ مجسّم ذکر‘ مؤثر ترین ذکر قرآن ہے‘ جس کو بھلا دیا گیا ہے‘ پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے۔ ہماری فکری‘ ذہنی اور عملی بے راہ روی کا اصل سبب یہی ہے کہ ذکر اپنے اصل ہدف سے ہٹ گیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ہمارے نزدیک اصل ذکر قرآن

حکیم ہے۔اس کے بے شمار شواہد قرآن سے پیش کیے جاسکتے ہیں۔مثلاً سورۃ الحجر میں فرمایا:

﴿وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝۶﴾

''اور لوگ کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس پر الذکر (قرآن مجید) نازل کیا گیا ہے! تو دیوانہ ہے۔''

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹﴾

''بیشک ہم نے اس الذکر (قرآن مجید) کو نازل کیا ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

سورۃ النحل میں فرمایا:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝۴۴﴾

''اور ہم نے آپ کی طرف یہ الذکر (قرآن مجید) نازل کیا ہے' تاکہ آپ اس تعلیم کی جو آپ کی طرف لوگوں کے لیے نازل کی گئی ہے' ان کے سامنے توضیح وتشریح کریں اور شاید لوگ خود بھی غور وفکر کریں۔''

ان آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ الذکر' مجسّم ذکر' سرتاسر ذکر قرآن ہے۔اسے پڑھو' حرزِ جان بناؤ' ذہن میں اتارو' حفظ کرو' اس کی تلاوت کرو جیسا کہ تلاوت کا حق ہے اور اس کے ذریعہ اپنے رات اور دن کو زندہ کرو۔یہ ہے اصل ذکر۔

اس کے علاوہ نماز کے متعلق فرمایا:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝۱۴﴾ (طٰہٰ)

''نماز قائم کرو میرے ذکر کے لیے۔''

گویا نماز کا مقصد ذکر ہے۔اس ضمن میں سنتِ رسول ﷺ کیا ہے؟ آنحضور ﷺ کی رات کی نماز کا عالم یہ ہے کہ طویل قیام ہے اور اس میں قرآن کی طویل تلاوت ہے۔ایک ایک رکعت میں سورۃ البقرۃ' سورۂ آل عمران اور سورۃ النساء تک کی طویل تلاوت ہے۔اس کے علاوہ اذکارِ مسنونہ اور ادعیۂ ماثورہ ہیں۔لیکن ہم نے ان کو چھوڑ کر ضربیں لگانی سیکھ لی ہیں' خاص آسن ایجاد کر لیے ہیں' نشست کے خاص انداز نکالے ہیں۔یہ کہاں سے آئے ہیں؟ ان پر عمل کرنے والوں میں جو منصف مزاج لوگ ہیں وہ مانتے ہیں کہ یہ طریقے رسول اللہ ﷺ سے منقول و ماثور نہیں ہیں' بلکہ یہ بعد کے لوگوں کے اجتہادی معاملات ہیں۔لیکن ہمارے لیے اس

معاملے میں بھی سنّتِ نبویؐ اور سنّتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم ہی کو اختیار کرنے میں عافیت ہے۔

نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سلوک

سیرتِ نبوی ﷺ کا مطالعہ کریں اور دیکھئے کہ نبی اکرم ﷺ کا سلوک کون سا ہے؟ آپ کو صاف نظر آئے گا کہ اس میں اصل اور بنیادی اہمیت تقرب بالفرائض کی ہے اور آپ ﷺ فریضۂ شہادت علی الناس کی ادائیگی میں ہمہ تن مصروف رہے۔جبکہ تقرب بالنوافل میں آپ ﷺ جس مقام و مرتبہ پر تھے اس کا تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔اس معاملے میں ہم کیا عرض کریں گے! آپ ﷺ نے خود فرمایا: ((وَاَيُّكُمْ مِثْلِيْ اِنِّيْ اَبِيْتُ يُطْعِمُنِيْ رَبِّيْ وَيَسْقِيْنِيْ)) (متفق علیہ) ''تم میں سے کون میرے جیسا ہو سکتا ہے؟ میں تو رات اپنے ربّ کے حضور بسر کرتا ہوں' وہ مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔''

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا معاملہ دیکھئے' ان کا سلوک کون سا تھا؟ یہ سلوک بالفرائض تھا۔ان کا سارا زور' ان کی ساری توجہ فرائض پر مرکوز نظر آتی ہے۔''دینی فرائض'' کا ہمہ گیر اور جامع تصور ان کے سامنے تھا۔بدقسمتی یہ ہوئی ہے کہ بعد کے اَدوار میں ان تصوراتِ دینی اور سلوکِ محمدی ﷺ پر رفتہ رفتہ مختلف حجابات پڑتے چلے گئے۔یہاں تک کہ یہ دینی تصورات حجابات میں ایسے مستور ہوئے کہ عوام تو عوام خواص کی نظروں سے بھی اوجھل ہو گئے اور یہی سمجھ لیا گیا کہ دینی فرائض بس نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ کی عبادات میں محصور ہیں۔

دورِ نبویؐ اور دورِ صحابہؓ میں ہم دیکھتے ہیں کہ دین کو عملاً قائم کرنے کی جدّوجہد ہے' اس معرکۂ حق و باطل کے لیے خود کو تیار کرنا ہے اور اس کے لیے اپنے دل و دماغ کو بیدار کرنا ہے۔تقرّب الی اللہ کے لیے تقرب بالفرائض کے پہلو بہ پہلو تقرّب بالنوافل کو بھی معمولاتِ زندگی میں شامل کرنا ہے۔ان دونوں ذرائع سے اپنے فکر و نظر کو نورِ ایمان سے منوّر اور شوقِ شہادت سے معمور کرنا ہے۔یہ ہے نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سلوک' جس کی شہادت ہمیں قرآن' احادیث اور سیرت کی تمام مستند کتابوں سے ملتی ہے۔

تابعین عظام رحمہم اللہ کا سلوک

تابعین کے دور میں جب دین غالب ہو گیا تو نہ صرف عرب بلکہ عراق' شام' فلسطین' ایران حتیٰ کہ افریقہ کے شمالی علاقے کے بہت بڑے حصے پر اللہ کے دین کا جھنڈا سربلند ہو گیا اور شریعت کا نفاذ عمل میں آ گیا۔تو اب منظر یہ تھا کہ اللہ کا حکم چل رہا ہے' اسلامی عدالتیں قائم

ہیں‘ قاضی ہیں‘ فتاویٰ دیے جا رہے ہیں‘ شریعتِ خداوندی کے متعلق فیصلے دیے جا رہے ہیں۔ لہٰذا اب وہ وقت آیا کہ تقرب بالفرائض کے ساتھ ساتھ تقرب بالنوافل پر زیادہ توجہ دی جائے۔ چنانچہ اس دور میں بھی کثرت کے ساتھ ایسے حضرات نظر آتے ہیں جو تقرب بالفرائض کے ساتھ ساتھ تقرب بالنوافل میں بھی پورا انہماک رکھتے تھے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب دین کی دعوت و تبلیغ اور قیام و نفاذ کے لیے مجاہدین اسلام ایران جیسی قوت سے نبرد آزما ہوئے اور اس کی مضبوط عسکری قوت ان مٹھی بھر مجاہدوں کے ایمان کی آہنی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہونے لگی تو ایرانی سپہ سالار رستم نے اپنے جاسوس بھیجے کہ معلوم کریں کہ ان بے سروسامان جنگجوؤں کی قوت کا اصل راز کیا ہے؟ تو ان مخبروں نے بتایا: هُمْ فُرْسَانٌ بِالنَّهَارِ وَرُهْبَانٌ بِاللَّيْلِ یعنی دن میں تو یہ لوگ شہسوار ہیں اور مردانِ میدانِ کارزار ہیں اور ان کی راتیں اپنے اللہ کے حضور میں قیام و سجود‘ گریہ وزاری اور دعا و مناجات میں بسر ہوتی ہیں۔ حالانکہ فوجیوں کی راتیں شراب و کباب اور شباب سے کھیلنے میں بسر ہوتی ہیں۔ یہ وہ عجوبۂ روزگار‘ انوکھے اور نرالے سپاہی تھے کہ جن کے بارے میں دشمن کے جاسوسوں نے یہ شہادت دی کہ یہ لوگ رات کے راہب اور دن کے شہسوار ہیں۔ ایسے اولیاء اللہ سے جو بھی ٹکرایا وہ ریت کے ٹیلوں کی طرح بکھر گیا۔

بزرگانِ دین کا سلوک

بزرگانِ دین کی اکثریت میں بھی ہمیں تقرب بالنوافل کثرت کے ساتھ نظر آتا ہے۔ اس کی توجیہہ بھی ہے‘ جواز بھی ہے اور اس کا ٹھیک مقام و محل بھی سمجھ میں آتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ اس وقت کی معلوم و متمدّن دنیا کے ایک بہت بڑے خطے پر اللہ کا دین قائم ہو چکا تھا‘ اللہ ہی کا کلمہ اور جھنڈا سر بلند تھا اور اس کا مشاہدہ پوری دنیا کر رہی تھی۔

برعظیم پاک و ہند میں تجدیدی کوششیں

مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ہندوستان میں حکومتی سطح پر خرابیاں تھیں‘ فسق و فجور تھا‘ اکبر کا دینِ الٰہی بھی آ گیا تھا‘ لیکن شریعت کا ڈھانچہ موجود تھا‘ شرعی عدالتیں قائم تھیں‘ قاضی موجود تھے۔ چنانچہ حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے تلوار نہیں اٹھائی‘ لیکن سنّت کے احیاء کے لیے صوفیاء کے حلقوں میں سے جس بزرگ ہستی کی طرف سے پہلی بار کوئی زوردار دعوت اٹھی تو وہ شخصیت تھی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی۔ اس کے بعد جب انگریز آ گیا اور ہمارے نظام کی پوری

عمارت ہی زمین بوس ہو گئی تو اب ایک اور احمد اٹھا‘ اور یہ سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ یہ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ تھے۔ انہوں نے جہاد و قتال کا نعرہ لگایا۔ انہوں نے کہا ہمارا سلسلہ ’’سلوکِ محمدیہ‘‘ ہے۔ سلوک کے چار مشہور سلسلے ہیں: قادریہ‘ نقشبندیہ‘ چشتیہ‘ سہروردیہ۔ انہوں نے نہایت زور دے کر کہا کہ ہمارا طریقہ اور سلوک وہ ہے جس میں جنگ اور قتال فی سبیل اللہ ہے‘ جس میں اللہ کے دین کے غلبے کے لیے جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آ جانا ہے۔ یہ ہے سلوکِ محمدیہؐ جس کو ہم نے اختیار کیا ہے۔ اسی کی طرف ہم دعوت دے رہے ہیں‘ اور اسی پر ہم عمل پیرا ہیں۔ اور اس سلسلۂ محمدیہؐ کا ذکرِ اوّلین ہے قرآن مجید۔

آج کس سلوک کی ضرورت ہے؟

آج جب تقرب بالفرائض کو صرف ارکانِ اسلام میں محدود سمجھنے کا تصور پختہ ہو گیا ہے اور تواصی بالحق‘ دعوت الی اللہ‘ امر بالمعروف و نہی عن المنکر‘ شہادت علی الناس‘ اقامتِ دین کے لیے جدّوجہد اور قتال فی سبیل اللہ کو دینی فرائض کی فہرست سے خارج سمجھا جانے لگ گیا ہے‘ یہاں تک کہ ہمارے دینی نظام زندگی کا پورا قصر مسمار ہو گیا ہے اور اللہ کا پسندیدہ دین اسلام بکمال و تمام دنیا کے کسی گوشے میں بھی قائم و نافذ نہیں رہا‘ اب تو وہ صورت حال ہو گئی ہے جس کو مولانا حالی نے بڑی دلسوزی کے ساتھ یوں تعبیر کیا تھا ؎

جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے!

تو اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی فرائض کا جامع اور ہمہ گیر تصور اجاگر کیا جائے‘ اور پورے شدومد سے تقرب بالفرائض پر زور دیا جائے۔ مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہو رہا بلکہ سلوک کا جو راستہ (تقرب بالنوافل) تصوّف نے متعیّن کیا تھا یہ قافلہ اسی پر چل رہا ہے‘ ابھی تک اپنی اصل کی طرف نہیں لوٹ رہا۔ حالانکہ اب صورت حال یکسر بدل چکی ہے۔ اب پھر اسی سلوک کی ضرورت ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔ ؎

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے!

(ماخوذ: ’’قربِ الٰہی کے دو مراتب‘‘ خطاب: ڈاکٹر اسرار احمد‘ ۱۹۸۱ء)

نماز باجماعت میں صف بندی کا نظام

حافظ محمد زاہد☆

نماز اسلام کا شعار ہے اور یہ از قسم عبادات پہلا حکم ہے جو نبی کریم ﷺ کو نبوت ملنے کے بعد اللہ کی طرف سے دیا گیا۔ پھر اس کو ادا کرنے کا طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے سے نبی کریم ﷺ کو سکھایا اور نبی کریم ﷺ نے عملاً اور قولاً اس طریقہ کی تعلیم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دی اور فرمایا: ((صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ))(۱) ''نماز پڑھو (اس طریقہ سے) جس طریقے سے مجھے پڑھتے دیکھتے ہو'' —— پھر نبی کریم ﷺ نے فرض نمازوں کی ادائیگی کے لیے جماعت کو لازم قرار دیا اور یہ تعلیم دی کہ فرض نمازیں انفرادی نہیں بلکہ مسجد میں آ کر جماعت کے ساتھ ایک امام کی اقتدا میں پڑھنی ہیں۔

باجماعت نماز اجتماعیت کی پہلی سیڑھی ہے اور اس کا ایک لازمی حصہ ''صف بندی'' ہے کہ لوگ نماز میں صفیں باندھ کر مل جل کر سنجیدگی اور ایک ترتیب کے ساتھ کھڑے ہوں۔ اجتماعیت کی اس پہلی سیڑھی پر نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو ایسا نظم و نسق سکھایا جو ان کی زندگی کے باقی حصوں میں بھی کافی کام آیا۔ باجماعت نماز میں ''صف بندی'' کے نظام سے اسلامی معاشرے میں کئی فائدہ کن اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ان میں نظم و نسق' اتفاق و اتحاد' مودّتِ باہمی' سنجیدگی اور ایک امام کی اقتدا سر فہرست ہیں۔ ذیل میں صف بندی اور اس سے متعلقہ احکام کو فرداً فرداً بیان کیا جا رہا ہے۔

فرشتوں کی طرح صف بندی کا حکم

نبی کریم ﷺ نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے وقت فرشتوں کی طرح صف بندی کا حکم دیا ہے اور الگ الگ بغیر کسی ترتیب کے نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

((أَلَا تَصُفُّوْنَ كَمَا تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا؟)) فَقُلْنَا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

☆ ادارتی معاون' شعبہ مطبوعات' قرآن اکیڈمی' لاہور۔ pmzahids@yahoo.com

وَكَيْفَ تَصُفُّ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ رَبِّهَا؟ قَالَ: ((يُتِمُّوْنَ الصُّفُوْفَ الْأُوَلَ وَيَتَرَاصُّوْنَ فِي الصَّفِّ))(۲)

''تم اس طرح صفیں کیوں نہیں بناتے جس طرح کہ فرشتے اپنے رب کے پاس صفیں بناتے ہیں؟'' ہم نے پوچھا: یا رسول اللہ! فرشتے اپنے رب کے پاس کیسے صفیں بناتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پہلے اگلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور صف میں مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔''

صف بندی نماز کی خوبصورتی ہے

ایک طرف رسول اللہ ﷺ نے فرشتوں کی طرح صف بنانے کا حکم دیا تو دوسری طرف صف بندی کو نماز کا حسن قرار دے کر اس کی ترغیب دی کہ صفوں میں حسنِ ترتیب سے کھڑے ہو کر اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت بجا لاؤ۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَقِيْمُوا الصَّفَّ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّ إِقَامَةَ الصَّفِّ مِنْ حُسْنِ الصَّلَاةِ))(۳)

''نماز میں صف بندی کرو' بے شک صف بندی کرنا نماز کی خوبصورتی میں سے ہے۔''

امام کے کھڑے ہونے سے پہلے صف بندی کرنا

جماعت میں صف بندی کے حوالے سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ امام کے مصلّٰی پر کھڑے ہونے سے پہلے ہی مقتدیوں کو چاہیے کہ صفیں بنا لیں۔ اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل بھی یہی تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اَنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ تُقَامُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَيَأْخُذُ النَّاسُ مَصَافَّهُمْ قَبْلَ اَنْ يَقُوْمَ النَّبِيُّ ﷺ مَقَامَهُ(۴)

''نماز کے لیے اقامت رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے پر کہی جاتی تھی اور نبی کریم ﷺ کے اپنی (امامت والی) جگہ پر کھڑے ہونے سے پہلے لوگ صفیں بنا لیتے تھے۔''

ایک روایت میں نبی کریم ﷺ کے امامت کرنے کے لیے آنے سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کھڑے ہونے اور صفیں بنانے کی عادت کا ذکر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اُقِيْمَتِ الصَّلَاةُ فَقُمْنَا فَعَدَّلْنَا الصُّفُوْفَ قَبْلَ اَنْ يَخْرُجَ اِلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ(۵)

''نماز کے قائم ہونے کے وقت ہم نبی کریم ﷺ کے اپنی طرف آنے سے پہلے کھڑے ہو جاتے اور صفوں کو سیدھا کر لیتے۔''

حی علی الصلوٰۃ کے وقت کھڑا ہونا جائز' مگر تقدیم افضل ہے

ایک مخصوص مکتبہ فکر کے لوگ ''حی علی الصلوٰۃ'' کے وقت کھڑے ہونے کو ضروری خیال کرتے ہیں اور اس سے تقدیم کو خلافِ اولیٰ سمجھتے ہیں۔ اس مسئلہ پر مفتی محمد شفیع ؒ فرماتے ہیں:

''خود رسول اللہ ﷺ کا عمل' پھر خلفائے راشدین کی مذکور الصدر تحریرات اور جمہور صحابہؓ و تابعینؒ کا تعامل اس پر شاہد ہے کہ ان حضرات کا معمول و دستور یہی تھا کہ امام جب مسجد میں آئے تو اول اقامت ہی سے سب لوگ کھڑے ہو کر صفوف کی درستگی کر لیں اور جس صورت میں امام پہلے سے محراب کے قریب بیٹھا ہو اس صورت میں بھی ''حی علی الفلاح'' پر کھڑے ہونے کو مستحب کہنا اس بنا پر ہے کہ اس کے بعد بیٹھے رہنا خلافِ ادب ہے' کیونکہ مسارعت الی الطاعات کے خلاف ہے' نہ یہ کہ اس سے پہلے پہلے کھڑا ہونا خلافِ ادب ہے' کیونکہ پہلے کھڑا ہونے میں مسارعت اور زیادہ ہے۔''(۶)

مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب اس بارے میں رقم طراز ہیں:

''حی علی الصلوٰۃ'' تک بیٹھے رہنا جائز ہے' اور اس کے بعد تاخیر نہیں کرنی چاہیے' لیکن افضل یہ ہے کہ پہلے صفیں درست کی جائیں' پھر اقامت ہو۔ ''حی علی الصلوٰۃ'' تک بیٹھے رہنے پر اصرار کرنا اور اس کو فرض و واجب کا درجہ دے دینا غلو فی الدین ہے۔''(۷)

ماقبل بیان کردہ احادیث اور علماء کے اقوال کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اقامت سے پہلے کھڑا ہونا اور صفوں کو درست کرنا ''حی علی الصلوٰۃ'' کے وقت کھڑے ہونے سے اصح ہے' کیونکہ صحابہ کرام ؓ کا طرزِ عمل بھی یہی تھا' جیسے ماقبل حضرت ابوہریرہ ؓ کی روایات سے پتا چلتا ہے۔ البتہ اگر ''حی علی الصلوٰۃ'' کے وقت کھڑے ہونے پر استحباب کی حیثیت سے عمل کیا جائے تو یہ خلافِ اولیٰ نہیں ہے' لیکن اس پر واجب کی حیثیت سے عمل کرنا اور تقدیم کو مطلقاً ممنوع قرار دینا نہ صرف خلافِ اولیٰ ہے بلکہ غلو فی الدین کے زمرے میں آتا ہے۔

صفوں کی درستگی اور مل کر کھڑے ہونا

ایک طرف نبی کریم ﷺ نے فرشتوں کی طرح صفیں بنانے کا حکم دیا تو دوسری طرف یہ بھی تعلیم فرمائی کہ صفیں سیدھی اور برابر ہونی چاہئیں' اس لیے کہ یہ نماز کا حصہ ہے۔ حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((سَوُّوْا صُفُوْفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوْفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ)) (۸)

''تم اپنی صفوں کو سیدھا کرو اس لیے کہ صفوں کو سیدھا کرنا اقامتِ صلوٰۃ میں سے ہے۔''

صفوں کی درستگی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ صفوں میں کوئی خلا نہ ہو' اور اگر کوئی خلا موجود ہو تو پہلے اسے پُر کرنا چاہیے۔ صفوں میں موجود خلا کو پُر کرنے والے شخص پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ الصُّفُوْفَ)) (۸)

''بے شک اللہ تعالیٰ صفوں کو ملانے والوں پر رحمت بھیجتا ہے اور فرشتے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں۔''

امام کا صفوں کو درست کروانا

صفوں کی درستگی جب نماز کا حصہ ہے تو پھر امام کی یہ ذمہ داری ہے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے صفوں کا جائزہ لے اور مقتدیوں کو ہدایت کرے کہ صفوں کو سیدھا رکھیں اور درمیان میں خلا نہ چھوڑیں۔ امام کا اپنے مقتدیوں کو ایسی ہدایت کرنا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر ؓ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُسَوِّيْ صُفُوْفَنَا إِذَا قُمْنَا لِلصَّلَاةِ، فَإِذَا اسْتَوَيْنَا كَبَّرَ (۱۰)

''رسول اللہ ﷺ کا دستور تھا کہ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو ہماری صفوں کو سیدھا کرواتے۔ جب صفیں سیدھی ہو جاتیں تو آپؐ تکبیر تحریمہ کہتے۔''

دوسری روایت بھی انہی سے مروی ہے' فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُسَوِّيْ صُفُوْفَنَا حَتّٰى كَأَنَّمَا يُسَوِّيْ بِهَا الْقِدَاحَ (۱۱)

''رسول اللہ ﷺ ہماری صفیں اس طرح سیدھی کرایا کرتے تھے گویا اُن سے تیر سیدھے کر رہے ہوں۔''

محاورے کے مطابق تو یوں کہنا چاہیے کہ تیر کی طرح صف سیدھی ہو جاتی تھی' لیکن اس کے برعکس یوں کہنا کہ تیر اگر صف کے مطابق سیدھا کر دیا جائے تو لازماً اپنے ہدف پر جا لگے گا' اس طرح کہنے میں مبالغہ زیادہ ہے۔

صف میں کھڑے ہونے کا طریقہ

مولانا تقی عثمانی نے اپنی کتاب ''نمازیں سُنّت کے مطابق پڑھیے'' میں صف میں کھڑے ہونے کے طریقے کو نقشہ کی مدد سے بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''اگر جماعت سے نماز پڑھ رہے ہیں تو آپ کی صف سیدھی رہے' صف سیدھی کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنی دونوں ایڑیوں کے آخری سرے صف یا اس کے نشان کے آخری کنارے پر رکھ لے۔ اس طرح:

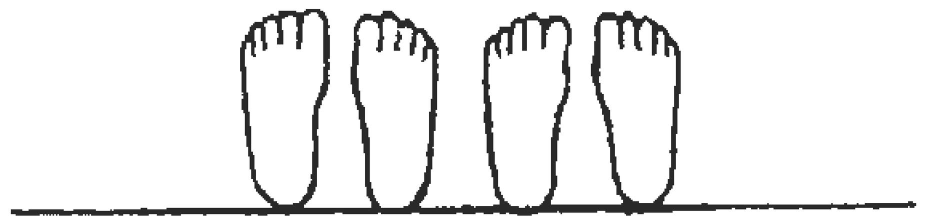

جماعت کی صورت میں اس بات کا بھی اطمینان کر لیں کہ دائیں بائیں کھڑے ہونے والوں کے ساتھ آپ کے بازو ملے ہوئے ہیں اور بیچ میں کوئی خلا نہیں ہے' لیکن خلا کو پُر کرنے کے لیے اتنی بھی تنگی نہ کی جائے کہ اطمینان سے کھڑا ہونا مشکل ہو جائے۔''(۱۲)

صفوں کا ٹیڑھا پن نا اتفاقی کا سبب ہے

ایک طرف نبی کریم ﷺ نے صف بندی کو نماز کا حسن اور صفوں کی درستگی کو نماز کا حصہ قرار دے کر اس پر عمل کرنے کی ہدایت کی تو دوسری طرف صفوں کے ٹیڑھے پن کو لوگوں کے اختلاف اور نا اتفاقی کا سبب قرار دیا تا کہ لوگ صفوں کے ٹیڑھے پن سے بچیں۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُسَوِّيْ صُفُوْفَنَا' فَخَرَجَ يَوْمًا فَرَاٰى رَجُلًا خَارِجًا صَدْرُهُ عَنِ الْقَوْمِ فَقَالَ: ((لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ اَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوْهِكُمْ)) (۱۳)

''رسول اللہ ﷺ ہماری صفوں کو درست فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ تشریف لائے تو آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس کا سینہ صف سے آگے بڑھا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''تم اپنی صفوں کو سیدھا کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان پھوٹ ڈال دے گا۔''

صفوں میں خلا شیطان کی 'جا' ہے

صف بندی کا ایک اصول یہ ہے کہ صفوں میں خلا نہ ہو' اور اگر کوئی جگہ خالی ہو تو اسے پُر

کرنا ضروری ہے' اس لیے کہ شیاطین خالی جگہ میں گھس کر نمازی کے دل میں وسوسے ڈالتے ہیں اور اسے نماز سے غافل کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اس بارے میں فرمایا:

((رُصُّوْا صُفُوْفَكُمْ وَقَارِبُوْا بَيْنَهَا وَحَاذُوْا بِالْاَعْنَاقِ' فَوَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ اِنِّيْ لَاَرَى الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ مِنْ خَلَلِ الصَّفِّ كَاَنَّهَا الْحَذَفُ)) (۱۴)

''اپنی صفیں ملی ہوئی اور قریب قریب رکھو اور اپنی گردنیں برابر رکھو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے میں شیطان کو بکری کے سیاہ بچے کی طرح تمہاری صفوں کی کشادگی میں گھستا دیکھتا ہوں۔''

اس حدیث میں ''قَارِبُوْا بَيْنَهَا'' مذکور ہے' جس کا مطلب یہ ہے کہ دو صفوں کے درمیان بھی اتنا فاصلہ نہیں ہونا چاہیے کہ ان کے درمیان ایک اور صف بن سکے۔ صفیں بھی ایک دوسرے کے قریب قریب ہونی چاہئیں۔

صف کو ملانے اور کاٹنے کا بدلہ

صفوں کی درستگی اور صفوں میں خلا نہ ہونے کی اہمیت کا اندازہ اس روایت سے آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَهُ اللّٰهُ وَمَنْ قَطَعَ صَفًّا قَطَعَهُ اللّٰهُ)) (۱۵)

''جو صفوں کو جوڑے (یعنی صفوں کا خلا پر کرے) اسے اللہ جوڑے اور جو صفوں کو کاٹے (یعنی صفوں کے خلا کو دیکھ کر بھی پُر نہ کرے) اسے اللہ عزوجل کاٹے۔''

اگلی صفیں پہلے مکمل کی جائیں

جماعت میں صف بندی کا ایک اصول یہ ہے کہ پہلے اگلی صف کو مکمل کیا جائے اور پھر دوسری صف بنائی جائے۔ اگر پہلی صف میں جگہ خالی ہو تو دوسری صف بنانا درست نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَتِمُّوا الصَّفَّ الْمُقَدَّمَ ثُمَّ الَّذِيْ يَلِيْهِ' فَمَا كَانَ مِنْ نَقْصٍ فَلْيَكُنْ فِي الصَّفِّ الْمُؤَخَّرِ)) (۱۶)

''پہلے اگلی صف پوری کرو' پھر اس کے قریب والی تا کہ جو کمی رہے وہ آخری صف میں ہو۔''

نئی صف کہاں سے شروع کی جائے؟

اگر پہلی صف میں جگہ خالی ہو تو دوسری صف بنانا جائز نہیں‘ اور جب پہلی صف مکمل ہو جائے تو دوسری صف بنائی جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے:

’’اگر اگلی صف بھر چکی ہو تو نئی صف بیچ میں سے شروع کی جائے‘ دائیں بائیں یا کنارے سے نہیں۔ پھر جو لوگ آئیں وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ صف دونوں طرف سے برابر ہے۔‘‘(۱۷)

صفوں کی ترتیب

جماعت میں صفوں کی ترتیب اس طرح ہوگی کہ بالغ مَردوں کی صفیں پہلے ہوں گی‘ پھر بچوں کی اور پھر آخر میں عورتوں کی صفیں ہوں گی۔ حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی نماز کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فَاَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَفَّ الرِّجَالَ وَ صَفَّ خَلْفَهُمُ الْغِلْمَانَ ثُمَّ صَلّٰى بِهِمْ (۱۸)

’’آپؐ نے نماز قائم کی (یعنی نماز ادا کرنے کے لیے کھڑے ہوئے) اور مَردوں کو صف بستہ کیا اور ان کے پیچھے بچوں کی صف بنائی‘ پھر آپؐ نے ان کو نماز پڑھائی۔‘‘

صفوں کی درجہ بندی

ایک ہے صفوں کی ترتیب جو ماقبل بیان کر دی گئی ہے اور ایک ہے صفوں کی درجہ بندی کہ کون امام کے متصل کھڑا ہو۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَمْسَحُ مَنَاكِبَنَا فِي الصَّلَاةِ وَيَقُوْلُ ((اِسْتَوُوْا وَلَا تَخْتَلِفُوْا فَتَخْتَلِفَ قُلُوْبُكُمْ لِيَلِنِيْ مِنْكُمْ اُولُوا الْاَحْلَامِ وَالنُّهٰى ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ)) (۱۹)

’’رسول اللہ ﷺ نماز کے وقت ہمارے کندھوں پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے (تاکہ ہماری صفیں سیدھی ہوں) اور فرماتے تھے: ’’برابر ہو جاؤ اور بے ترتیب نہ ہو ورنہ تمہارے دلوں میں بھی نااتفاقی آ جائے گی۔ میرے قریب عقل مند اور سمجھ بوجھ والے کھڑے ہوں‘ پھر جو ان کے قریب ہوں‘ پھر جو ان کے قریب ہوں۔‘‘

صفوں کی اس درجہ بندی کا مقصد یہ ہے کہ کبھی امام کا وضو ٹوٹ جاتا ہے تو امام اپنے سے قریب

کھڑے مقتدی کو آگے کھڑا کر دیتا ہے اس لیے امام کے قریب عقل مند اور عالم لوگ کھڑے ہوں تاکہ وہ ایسی صورت حال میں امامت کا منصب سنبھال سکے۔

صف میں اکیلے کھڑے ہونے کی ممانعت

جماعت چونکہ اجتماعیت کی پہلی سیڑھی ہے اور ایک شخص کا اکیلے صف میں کھڑا ہونا اجتماعیت کے خلاف ہے اس لیے نبی کریم ﷺ نے صف میں اکیلے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کو نماز کا اعادہ کرنے کا حکم دیا۔ وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ رَاٰى رَجُلًا يُصَلِّيْ خَلْفَ الصَّفِّ وَحْدَهٗ فَاَمَرَهٗ اَنْ يُّعِيْدَ الصَّلَاةَ (۲۰)

’’رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا جو صف کے پیچھے اکیلا نماز پڑھ رہا تھا تو آپؐ نے اسے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا۔‘‘

اس کے بارے میں ایک اصول ذہن نشین کر لیں کہ اگر صف کے مکمل ہونے کے بعد آنے والے شخص کو یقین ہو کہ کوئی دوسرا شخص آ جائے گا تو اسے چاہیے کہ دوسری صف میں اکیلا کھڑا ہو جائے (اس صورت میں اگر کوئی شخص نہیں آتا اور یہ ساری نماز صف میں اکیلے کھڑا ہو کر ادا کرتا ہے تو اس کی نماز ہو جائے گی) اور اگر اسے پتا ہو کہ اب کوئی اور نمازی نہیں آئے گا تو اسے چاہیے کہ اگلی صف کے کنارے سے ایک شخص کو اپنے ساتھ پچھلی صف میں کھڑا کر لے بشرطیکہ اسے امید ہو کہ وہ آدمی آسانی سے پیچھے آ جائے گا‘ اور اگر ایسی امید نہ ہو تو پھر اکیلا ہی نماز پڑھے۔ اس صورت میں بھی اس کی نماز ہو جائے گی۔

علامہ ابن تیمیہؒ‘ شیخ البانیؒ اور دیگر محققین کا موقف یہ ہے کہ اگر پہلی صف میں جگہ خالی ہو اور کوئی شخص دوسری صف میں اکیلے نماز پڑھے تو اس کی نماز نہیں ہوگی‘ ماقبل بیان کردہ روایت بھی اسی سے متعلق ہے۔ اور اگر پہلی صف میں جگہ نہ ہو تو صف میں اکیلے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا درست ہے۔(۲۱)

ایک یا دو مقتدی کہاں کھڑے ہوں؟

اگر امام کے ساتھ صرف ایک مقتدی ہو تو وہ امام کے دائیں جانب کھڑا ہو اور جب دوسرا مقتدی آ جائے تو پھر ان دونوں کو امام کے پیچھے صف بنا کر کھڑا ہونا چاہیے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

’’رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ نماز کے لیے کھڑے ہوئے‘ اس اثنا میں میں آ گیا اور آپؐ

کے بائیں جانب کھڑا ہو گیا تو آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑ کر دائیں طرف کھڑا کر دیا۔ پھر جبار بن صخر آ گئے اور وہ بائیں جانب کھڑے ہو گئے تو آپؐ نے ہم دونوں کے ہاتھ پکڑ کر ہمیں پیچھے کیا یہاں تک کہ ہم پیچھے کھڑے ہو گئے۔'' (۲۲)

صفِ اول کی فضیلت

صفوں میں صفِ اول کی فضیلت سب سے زیادہ ہے اور نبی کریم ﷺ نے تو یہاں تک فرمایا کہ اگر لوگوں کو پہلی صف کی فضیلت کا اندازہ ہو جائے تو وہ پہلی صف میں کھڑا ہونے کے لیے جھگڑا کریں اور ان کا یہ جھگڑا قرعہ اندازی کے بغیر حل نہ ہو۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَوْ یَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِی النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْاَوَّلِ ثُمَّ لَمْ یَجِدُوْا اِلَّا اَنْ یَسْتَهِمُوْا عَلَیْهِ لَاسْتَهَمُوْا)) (۲۳)

''اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اذان دینے اور صف اول میں شامل ہونے کا کتنا ثواب ہے پھر قرعہ ڈالے بغیر اسے حاصل نہ کر سکیں تو ضرور قرعہ ڈالیں۔''

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى الصُّفُوْفِ الْاُوَلِ)) (۲۴)

''بے شک اللہ تعالیٰ صف اول میں کھڑا ہونے والوں پر رحمت بھیجتا ہے اور فرشتے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں۔''

صف اول سے جان بوجھ کر پیچھے رہنے والے

احادیث میں صف اول کی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے لیکن لوگ صرف سستی اور لاپرواہی سے اس فضیلت کو حاصل نہیں کرتے اور آ کر پچھلی صفوں میں بیٹھے رہتے ہیں' حالانکہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو اس کو اپنا معمول بنا لیں گے کہ پچھلی صفوں میں کھڑے رہیں گے اور پہلی صف کے ثواب کو ضائع کریں گے تو ان کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ حضرت عائشہ ؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا یَزَالُ قَوْمٌ یَتَاَخَّرُوْنَ عَنِ الصَّفِّ الْاَوَّلِ حَتّٰی یُؤَخِّرَهُمُ اللّٰهُ فِی النَّارِ)) (۲۵)

''کچھ لوگ ہمیشہ پہلی صف سے پیچھے ہٹتے رہیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ انہیں دوزخ میں ڈال دے گا۔''

صف میں دائیں طرف کھڑے ہونے کی فضیلت

ایک طرف تو پہلی صف میں کھڑے ہونے کی فضیلت ہے تو دوسری طرف صف میں دائیں جانب کھڑا ہونا بھی فضیلت کا باعث ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اس بارے میں فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلٰى مَيَامِنِ الصُّفُوْفِ)) (۲۶)

''یقیناً اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں صفوں کی دائیں جانب والوں پر۔''

البتہ یہ بھی یاد رکھیں کہ اگر دائیں طرف آدمی زیادہ ہوں تو بائیں طرف کھڑے ہونا ضروری ہے تاکہ دونوں جانب کا توازن برقرار رہے۔

صفوں کو پھلانگنا

پہلی صف کی فضیلت اپنی جگہ مسلّم ہے' مگر لوگوں کی گردنوں کو پھلانگتے ہوئے آگے جانا درست نہیں' حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ البتہ اگر پہلی صف میں جگہ ہو تو پھر صفوں کو پھلانگتے ہوئے آگے بڑھنا نہ صرف جائز ہے بلکہ اجر وثواب کا باعث بھی ہے۔ حضرت براء بن عازب ؓ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ يَلُوْنَ الصُّفُوْفَ الْاُوَلَ' وَمَا مِنْ خُطْوَةٍ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ خُطْوَةٍ يَمْشِيْهَا يَصِلُ بِهَا صَفًّا)) (۲۷)

''بے شک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں ان پر جو اگلی صفوں کو ملاتے ہیں (یعنی ان کا خلا پُر کرتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کو اس قدم سے بڑھ کر کوئی قدم محبوب نہیں جو صف ملانے کے لیے ہو۔''

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلی صفوں کے خلا کو پورا کرنا اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے۔

نابالغ بچے اور صفوں کا تسلسل

ایسا بچہ جو اپنی طہارت' وضو اور مسجد کے آداب کی سمجھ بوجھ نہ رکھتا ہوں اس کا تو مسجد میں آنا ہی ممنوع ہے' اور ایسا بچہ جو ہو تو نابالغ مگر کچھ سمجھ بوجھ رکھتا ہو اس کو مسجد میں لایا جا سکتا ہے' اس مقصد سے کہ بالغ ہونے تک اسے نماز کا پتا چل جائے۔ ایسے بچے اگر کم تعداد میں ہوں تو انہیں مردوں کی صف میں کھڑا کرنا چاہیے اور اگر ایسے بچوں کی تعداد زیادہ ہو تو ان کی مردوں کے پیچھے الگ صف ہونی چاہیے۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب فرماتے ہیں:

''جو بچے بالکل کم عمر ہوں ان کو تو مسجد میں لانا ہی جائز نہیں۔ نابالغ بچوں کے بارے میں اصل حکم تو یہی ہے کہ ان کی الگ صف بالغ مَردوں کی صف سے پیچھے ہو' لیکن آج کل بچے جمع ہو کر زیادہ اودھم مچاتے ہیں اس لیے مناسب یہی ہے کہ بچوں کو ان کے اعزہ اپنے برابر کھڑا کر لیا کریں۔ بچوں کو سمجھانا چاہیے اور پیار محبت اور شفقت سے ان کو نماز میں کھڑے ہونے کا طریقہ بتانا چاہیے۔ بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنے سے چنداں فائدہ نہیں ہوتا۔''(۲۸)

کرسی پر نماز پڑھنا

اسلام دینِ فطرت ہے' جو سہولت اور آسانی کے اصولوں سے مزین ہے۔ نماز ہر عاقل بالغ شخص پر فرض ہے' لیکن اس کے ساتھ مریض کی سہولت کے لیے اسے احکام میں کافی رعایت دی گئی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا وہ بیٹھ کر نماز پڑھے اور جو بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا وہ لیٹ کر یا کسی کرسی پر بیٹھ کر پڑھ سکتا ہے ــــ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ بلا عذر کرسی پر بیٹھ کر نماز ادا کرنا شرعاً درست نہیں۔ اگر کوئی شخص قیام اور رکوع و سجود پر قادر ہے' صرف قعدہ نہیں کر سکتا تو اسے چاہیے کہ قیام اور رکوع و سجود عام فرد کی طرح کرے اور قعدہ کے وقت کرسی پر بیٹھ جائے۔ اور اگر کوئی شخص نماز کا ایک رکن بھی عام فرد کی طرح ادا نہیں کر سکتا تو اسے چاہیے کہ کرسی پر بیٹھ کر پوری نماز ادا کرے' رکوع کے لیے جھکے اور سجدہ کے لیے کرسی کے ساتھ لگی ٹرے یا میز سامنے رکھ کر اس پر سجدہ کرے۔ اور اگر اس طرح بھی طاقت نہ ہو تو محض جھکنے اور اشارہ سے رکوع و سجود بجا لائے۔

کرسی صف میں کہاں رکھے؟

کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے والوں کی دو حالتیں ہیں:

① ایسا شخص جو نہ قیام پر قادر ہو اور نہ رکوع و سجود پر' اس صورت میں یہ شخص اپنی کرسی کے پچھلے پائے نمازیوں کے پاؤں کے بالمقابل رکھے۔ اس طرح اگرچہ اس کے پاؤں اور نمازیوں کے پاؤں برابر نہیں ہوں گے' لیکن کندھے اور بدن نمازیوں کے برابر ہو گا۔

② ایسا شخص جو قیام پر تو قادر ہو لیکن رکوع و سجود بیٹھ کر ہی ادا کر سکتا ہو' اس صورت میں یہ شخص اپنی کرسی کے اگلے پائے نمازیوں کے پاؤں کے برابر رکھے۔ اس طرح کرسی رکھنے سے یہ قباحت لازم آتی ہے کہ کرسی کے پچھلے پائے پچھلی صف میں آتے ہیں اور اس سے

پچھلی صف میں خلا واقع ہوتا ہے' حالانکہ نبی کریم ﷺ نے صف کے خلا کو پُر کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے ایسے نمازی کے لیے بہتر ہے کہ وہ اپنی کرسی صف کے کنارے پر رکھے تاکہ اس کے پیچھے کسی نمازی کو کھڑا ہونے کی ضرورت نہ ہو۔

خلاصۂ کلام

نماز میں صف بندی اور اس سے متعلقہ احکام کی بہت اہمیت ہے اور اس سے اسلامی معاشرے میں نظم و نسق اور ڈسپلن کو فروغ ملتا ہے۔ عموماً اس بارے میں چند قباحتیں دیکھنے میں آتی ہیں: (۱) لوگ لاپرواہی کرتے ہیں اور صفوں کی درستگی کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دیتے' اس طرح صفیں ٹیڑھی رہ جاتی ہیں۔ (۲) صف میں نمازیوں کے درمیان کرسی خالی پڑی ہوتی ہے اور کوئی نمازی اس کرسی کو پیچھے کر کے اس جگہ کھڑا نہیں ہوتا اور اس طرح صف میں خلا رہ جاتا ہے۔ (۳) صفوں کے کناروں پر جگہ خالی ہوتی ہیں لیکن نمازی حضرات جلدی میں اس طرف دھیان نہیں دیتے اور نئی صف بنا کر کھڑے ہو جاتے ہیں' حالانکہ اگلی صف میں جگہ خالی ہو تو پیچھے صف بنانا جائز نہیں ہے۔

اس مضمون کا اختتام اس موضوع سے متعلق ایک جامع حدیث پر کرتا ہوں جس میں نبی کریم ﷺ نے صف بندی سے متعلق اپنے صحابہ کرام ؓ کو پانچ ہدایات دیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَقِیْمُوا الصُّفُوْفَ وَحَاذُوْا بَیْنَ الْمَنَاکِبِ وَسُدُّوا الْخَلَلَ وَلِیْنُوْا بِاَیْدِیْ اِخْوَانِکُمْ وَلَا تَذَرُوْا فُرُجَاتٍ لِلشَّیْطَانِ' وَمَنْ وَصَلَ صَفًّا وَصَلَہُ اللّٰہُ وَمَنْ قَطَعَ صَفًّا قَطَعَہُ اللّٰہُ)) (۲۹)

''(۱) صفیں قائم کرو (۲) اپنے کندھوں کے درمیان ہمواری (برابری) رکھو (۳) صفوں کے خلا کو پُر کرو (۴) اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم رہو (یعنی کوئی دوسرا شخص تمہارے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تمہیں سیدھا کرے تو تم سیدھا ہو جاؤ۔) (۵) صفوں میں شیطان کے لیے خلا نہ چھوڑو ــــ اور جو صفوں کو جوڑے گا (یعنی صفوں کا خلا پُر کرے گا) اسے اللہ جوڑے گا اور جو صفوں کو توڑے گا (یعنی صفوں کے خلا کو پُر نہیں کرے گا) اسے اللہ عزوجل توڑے گا۔''

حواشی

(۱) صحیح البخاری' کتاب الاذان ' باب الاذان للمسافر اذا کانوا جماعۃ والاقامۃ کذلک۔
(۲) صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب الامر بالسکون فی الصلاۃ......
(۳) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب اقامۃ الصف من تمام الصلاۃ۔ وصحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب تسویۃ الصفوف واقامتھاوفضل الاول فالاول منھا۔
(٤) صحیح مسلم' کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ' باب متی یقوم الناس للصلاۃ۔
(٥) ایضًا۔
(٦) جواھر الفقہ' ج ۱' ص ۳۲۳۔
(۷) *آپ کے مسائل اوران کا حل' مولانا محمد یوسف لدھیانوی' ج ۲' ص ۱٦۸۔*
(۸) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب اقامۃ الصف من تمام الصلاۃ۔ وصحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب تسویۃ الصفوف واقامتھاوفضل الاول فالاول منھا۔
(۹) سنن ابن ماجہ' کتاب اقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیھا' باب اقامۃ الصفوف۔
(۱۰) سنن ابی داوٗد' کتاب الصلاۃ' باب تسویۃ الصفوف۔
(۱۱) صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب تسویۃ الصفوف واقامتھاوفضل الاول فالاول منھا۔
(۱۲) *نمازیں سنت کے مطابق پڑھیے' مولانا تقی عثمانی' ص ۳۔*
(۱۳) سنن الترمذی' کتاب الصلاۃ' باب ماجاء فی اقامۃالصفوف۔
(۱٤) سنن ابی داوٗد' کتاب الصلاۃ' باب تسویۃ الصفوف۔
(۱٥'۱٦) ایضًا۔
(۱۷) *نمازیں سنت کے مطابق پڑھیے' مولانا تقی عثمانی' ص ۳۔*
(۱۸) سنن ابی داوٗد' کتاب الصلاۃ' باب مقام الصبیان فی الصف۔
(۱۹) صحیح مسلم' کتاب الصلاۃ' باب تسویۃ الصفوف واقامتھا......
(۲۰) سنن ابی داوٗد' کتاب الصلاۃ' باب الرجل یصلی وحدہ خلف الصف۔
(۲۱) بحوالہ: *نماز نبوی۔ صحیح احادیث کی روشنی میں' ص ۱٦٥۔*
(۲۲) صحیح مسلم 'کتاب الزھد والرقائق' باب حدیث جابر و قصۃ ابی الیسر۔
(۲۳) صحیح البخاری' کتاب الاذان' باب الاستھام فی الاذان۔
(۲٤) سنن ابی داوٗد' کتاب الصلاۃ' باب تسویۃ الصفوف۔
(۲٥) سنن ابی داوٗد' کتاب الصلاۃ' باب صف النساء وکراھیۃ التأخر عن الصف الاول۔
(۲٦) سنن ابی داوٗد' کتاب الصلاۃ' باب من یستحب ان یلی الامام فی الصف......
(۲۷) سنن ابی داوٗد' کتاب الصلاۃ' باب فی الصلاۃ تقام ولم یات الامام ینتظرونہ قعوداً۔
(۲۸) *آپ کے مسائل اوران کا حل' مولانا محمد یوسف لدھیانوی' ج ۲' ص ۳۱٦۔*
(۲۹) سنن ابی داوٗد' کتاب الصلاۃ' باب تسویۃ الصفوف۔

نبی اکرم ﷺ کے بعض اَعضاءِ مبارکہ کا قرآن حکیم میں تذکرہ

حافظ محمد مشتاق ربانی

یوں تو سارا قرآن مجید نبی اکرم ﷺ کی نعت ہے لیکن قرآن حکیم کے بعض مقامات خاص طور پر اس اعتبار سے نمایاں نظر آتے ہیں کہ ان میں بطور خاص آپ ﷺ کی توصیف بیان ہوئی ہے۔ آپ ﷺ کی شانِ اَقدس کا اندازہ اس بات سے بھی لگائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں آپؐ کے بعض اعضاء مبارکہ کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وہ اعضاء مبارکہ کتنی عظمت والے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے کلام میں ذکر کیا ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ وہ کون سے اعضاء مبارکہ ہیں جن کا قرآن حکیم میں تذکرہ ہے۔

(۱) وَجْهٌ (چہرہ)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ ۚ﴾ (البقرۃ:۱۴۴)

’’بے شک ہم آپؐ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا دیکھتے رہے ہیں۔‘‘

آنحضور ﷺ جب مدینہ منورہ ہجرت کر گئے‘ تو وہاں آپؐ خاص حکمت کے تحت بیت المقدس کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھنے لگے‘ لیکن آپؐ کا قلبی میلان خانہ کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا تھا۔ اس خواہش کی تکمیل کے لیے آپؐ اللہ تعالیٰ کے حکم کے منتظر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں آپؐ کی اس کیفیت کے بارے میں بتایا ہے کہ آپؐ کا چہرہ بار بار حکم الٰہی کے انتظار میں آسمان کی جانب اٹھتا تھا۔

آپ ﷺ کا چہرۂ انور نہایت حسین تھا۔ ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

یتلألأ وجهه تلالؤ القمر لیلة القدر

’’آپؐ کا چہرہ مہ بدر کی طرح چمکتا تھا۔‘‘

یہ تشبیہہ صرف سمجھانے کے لیے بیان کی جاتی ہے‘ ورنہ آپ ﷺ کا چہرۂ ان تخیلات اور تشبیہات سے کہیں بلند ہے۔ آپ ﷺ کے چہرے کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: **کان فی وجه رسول الله ﷺ تدویر** ’’رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک میں کسی قدر گولائی تھی‘‘ جو آنحضور ﷺ کے حسن مبارک میں اضافہ کا باعث تھی۔ آپ ﷺ کائنات میں سب سے زیادہ حسین تھے۔ آپؐ جب مسکراتے تو چہرۂ اقدس اور دمک جاتا‘ جسے لوگ دیکھتے ہی رہتے۔ آپ ﷺ ایک ایسے چہرے کے مالک تھے جس جیسا نہ کبھی انسانیت نے پہلے دیکھا اور نہ بعد میں کبھی دیکھے گی۔

(۲) صَدر (سینہ)

اس کی جمع صدور ہے۔ صدور قرآن مجید میں قلوب کے معنی میں بھی مستعمل ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ یَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ﴾ (آل عمران:۲۹)

’’کہہ دیجیے کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے‘ اس کو چھپاؤ یا ظاہر کرو‘ اللہ اس سے باخبر ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے سینہ مبارک کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ①﴾ (الانشراح)

’’کیا ہم نے آپؐ کا سینہ آپؐ کے لیے کھول نہیں دیا!‘‘

شرح صدر اور شق الصدر سیرت النبی ﷺ کے دو الگ موضوعات ہیں‘ ان دونوں کو باہم ایک سمجھنا درست نہیں ہے۔ شق الصدر سینۂ مبارک چاک ہونے والا واقعہ ہے جو کہ روایات کے مطابق ایک سے زیادہ مرتبہ پیش آیا ہے‘ جبکہ شرحِ صدر کے معنی دین اسلام کے لیے دل کھل جانے کے ہیں۔ شرح صدر کے مقابلے میں ضیق الصدر کی اصطلاح ہے۔

کفار و مشرکین کی باتیں سن کر آپ ﷺ کا دل بہت تنگ ہوتا تھا‘ اور ایسا کیوں نہ ہوتا‘ آپؐ کی دعوت کے مخاطبین ایک سچے نبی پر ایمان نہیں لا رہے تھے‘ جس سے ان کی آخرت تباہ ہو رہی تھی۔ اس وجہ سے آپؐ کا سینہ مبارک غم سے بھنچ جاتا‘ لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھاتا کہ آپ پریشان نہ ہوں‘ آپؐ کا دل ان کی باتوں سے چھلنی نہ ہو: ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ یَضِیْقُ صَدْرُكَ

بِمَا يَقُوْلُوْنَ﴿٩٧﴾ (الحجر) ''اور ہم خوب جانتے ہیں کہ جو کچھ یہ کہتے ہیں اس سے آپؐ کا سینہ بھنچتا ہے۔''

نبی اکرم ﷺ کشادہ سینہ مبارک رکھنے والے تھے' جیسا کہ حدیث نبویؐ میں ''عریض الصدر'' کے الفاظ ملتے ہیں۔ کشادہ سینہ دراصل مردوں کی خوبصورتی کی علامت ہے۔

(۳) عَینان (دو آنکھیں)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ﴾ (الکھف:۲۸) ''اور آپؐ کی آنکھیں انہیں (فقراء و مساکین کو) چھوڑ کر دوسرے لوگوں (رؤساء کفار) پر نہ پڑیں''۔ قرآن حکیم کے اس حکم میں نبی اکرم ﷺ کو رؤساءِ کفار سے استغناء اختیار کرنے کے لیے کہا جا رہا ہے' کہ آپؐ کی نگاہیں ان فقراء صحابہ کی بجائے ایمان سے محروم اور دُنیوی اعتبار سے صاحبِ حیثیت لوگوں کی طرف مائل نہ ہوں۔ یہاں لفظ ''عَيْنَاكَ'' (آپؐ کی آنکھیں) مجازاً استعمال ہوا ہے۔ آنکھوں کے لیے البصر کا لفظ بھی نبی کریم ﷺ کے حوالے سے استعمال ہوا ہے۔ ارشاد ہے: ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى﴿١٧﴾﴾ (النجم) ''نہ نگاہ کج ہوئی اور نہ بے قابو''۔ اس آیت کا مصداق بعض مفسّرین کرام کے نزدیک حضرت جبرائیل امین ؑ ہیں اور بعض کے نزدیک آپؐ ہیں۔

جہاں تک آپؐ کی آنکھوں مبارک کا تعلق ہے وہ بڑی اور سرمگیں تھیں۔ پتلی خوب سیاہ' سفیدی میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے۔ آنکھوں کے شگاف کشادہ تھے۔ دونوں طرف کے گوشے سرخ اور پلکیں کالی اور لمبی لمبی تھیں۔ حضرت علی ؓ آپ کی آنکھوں کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''اَدْعَجُ الْعَيْنَيْنِ' اَهْدَبُ الْاَشْفَارِ''[1] آپ ﷺ کی آنکھیں مبارک نہایت سیاہ تھیں اور پلکیں دراز تھیں۔ ایک دوسری روایت میں ہے: ''عظیم العینین' هَدِبُ الأشفار''[2] ''آپؐ بڑی آنکھوں والے اور لمبی پلکوں والے تھے۔'' حضرت جابر بن سمرہ ؓ آپ ﷺ کی نگاہوں کے بارے میں فرماتے ہیں کہ آپؐ أشکل العینین[3] تھے' یعنی آپؐ کی آنکھوں کی سفیدی میں سرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے۔ اسی

(۱) سنن الترمذی' کتاب المناقب عن رسول اللہ ﷺ' باب ما جاء فی صفۃ النبی ﷺ۔

(۲) مسند احمد' مسند العشرة المبشرين بالجنة' ومن مسند علی بن ابی طالبؓ۔

(۳) صحیح مسلم' کتاب الفضائل' باب فی صفۃ النبی ﷺ وعینیه وعقبیه۔ وسنن الترمذی' کتاب المناقب عن رسول اللہ ﷺ' باب ما جاء فی صفۃ النبی ﷺ۔

راوی سے أکحل العینین[1] ''سرمگیں آنکھیں'' کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ ہند بن ابی ہالہ ؓ آپ کی نگاہوں کے بارے میں فرماتے ہیں: **خافض الطرف نظرہ الی الارض** ''آپؐ نظریں جھکائے رکھتے تھے' آپؐ کی نگاہ زمین کی طرف رہتی تھی''' جس کی وجہ حیا' تواضع اور اللہ تعالیٰ کی خشیت تھی' لیکن وحی کے انتظار میں آپؐ کی نگاہ آسمان کی طرف بھی اُٹھ جایا کرتی تھی۔

(۴) ظَھر (کمر' پشت)

ظھر (کمر) پر عموماً بوجھ اٹھایا جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ﴿٢﴾ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ﴿٣﴾﴾ (الانشراح) ''اور آپؐ کے اوپر سے آپؐ کا وہ بوجھ اتار نہیں دیا جو آپؐ کی کمر کو توڑے دے رہا تھا؟'' یہ وِزْر جس نے آپ ﷺ کو ہلکان کر دیا' یہ (معاذ اللہ!) گناہوں کا بوجھ نہیں تھا' بلکہ آپؐ تو ہر لحاظ سے معصوم تھے۔ یہ وِزْر دراصل وہ فکر تھی جو آپؐ کو لوگوں کو دیکھ کر لاحق ہو رہی تھی کہ لوگ تباہی و بربادی کی طرف گامزن ہیں۔ یہ فکر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو قرآن مجید کی صورت میں ہدایت نامہ دے کر دور کر دی تھی۔

آپؐ کی ظھر مبارک پر حضرت حسن اور حسین ؓ سوار ہو جاتے تھے اور آپؐ اس طرح ان بچوں کا دل بہلاتے تھے۔ آپؐ کی ظھر مبارک پر مہرِ نبوت تھی۔ یہ مہرِ نبوت آپؐ کے خصائص میں سے تھی۔ اسی مہر نبوت کو دیکھ کر حضرت سلمان فارسی ؓ مسلمان ہوئے تھے۔ دوسری طرف وہ لوگ کتنے بدبخت تھے جو اس مبارک پشت پر آلائشیں پھینکتے تھے اور آپ ﷺ رحمۃٌ للعالمین ہونے کی وجہ سے ان بدبختوں کی ایسی بے ہودہ حرکات سے صرفِ نظر کر لیتے تھے۔

(۵) قَلب (دل)

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ﴿١٩٤﴾﴾ (الشعراء) ''(یہ قرآن اللہ تعالیٰ نے) آپؐ کے قلب (منیر) پر (اُتارا) تاکہ بن جائیں آپؐ (لوگوں کو) خبردار کرنے والے''۔ قلب عقل کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ﴾ (ق:۳۷) ''بے شک اس (قرآن) میں ان لوگوں کے لیے بڑی یاددہانی ہے جن کے پاس دل ہو یعنی عقل ہو''۔ لیکن سورۃ الشعراء کی آیت ۱۹۴ میں قلب دل کے معنی میں ہے۔ یہ عضو انسان کے وجود کا افضل ترین حصہ ہے۔ یہ ایک محفوظ ترین قلعہ ہے۔ تورات حضرت موسیٰ ؑ پر الواح کی صورت میں نازل ہوئی' جبکہ قرآن مجید اپنے

(۱) سنن الترمذی' کتاب المناقب عن رسول اللہ ﷺ' باب ما جاء فی صفۃ النبی ﷺ۔

نزول کے اعتبار سے تمام آسمانی کتابوں سے مختلف صورت میں اترا۔ یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل امینؑ نے آپ ﷺ کے دل مبارک پر اتارا۔ ارشاد ہے: ﴿قُلۡ مَنۡ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبۡرِیۡلَ فَاِنَّہٗ نَزَّلَہٗ عَلٰی قَلۡبِکَ بِاِذۡنِ اللّٰہِ﴾ (البقرۃ:۹۷) ’’کہہ دو جو جبریل کا مخالف ہوا تو (وہ جان لے کہ) جبریل نے اس کلام کو آپؐ کے دل پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے اُتارا ہے‘‘۔ آپ ﷺ کے دل کے احوال قلم اور خیالات بیان کرنے سے عاجز ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے قلوب عام انسانوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی حفاظت اور حصار میں ہوتے ہیں' کیونکہ وہاں وحی کا القاء ہونا ہوتا ہے۔

(۶) اَلۡفُؤَاد

بعض اہلِ علم ’’قلب‘‘ اور ’’فؤاد‘‘ کو ایک ہی سمجھتے ہیں' جبکہ زیادہ صحیح بات ان اہل علم کی ہے جو ان دونوں میں فرق کرتے ہیں۔ فُؤاد کی جمع افئدۃ ہے۔ عضو فؤاد اللہ تعالیٰ کے ہاں مسئول ہے۔ ارشاد ہے: ﴿اِنَّ السَّمۡعَ وَالۡبَصَرَ وَالۡفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنۡہُ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿۳۶﴾﴾ (الاسراء) ’’بے شک کان' آنکھ اور فواد ان میں سے ہر ایک سے اس کی بابت پرسش ہونی ہے‘‘۔ اس آیت میں آپ نے دیکھا کہ فواد' سمع' بصر پر عطف ہے' جو گویا سمع وبصر کی طرح کسی حس پر دلالت کر رہا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ فواد دراصل قلب کی ادراک کرنے کی حس کا نام ہے' یعنی قلب کا جو حاسہ ہے وہ فواد ہے' جیسے آنکھ کا خاصہ دیکھنا ہے' کان کا خاصہ سننا ہے' اسی طرح فواد فی نفسہ قلب کا حاسہ ہے جو دکھائی نہیں دیتا ہے۔

فواد کا لفظ دوسرے مقامات کی طرح سورۃ النجم میں بھی وارد ہوا ہے: ﴿مَا کَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰی ﴿۱۱﴾﴾ ’’جو کچھ اس نے دیکھا یہ فواد کی خیال آرائی نہیں ہے‘‘۔ اس میں دیکھنے والے کے بارے میں اختلاف ہے کہ کس نے دیکھا۔ بعض مفسّرین کرام کے نزدیک دیکھنے والے پیارے حبیب حضرت محمد ﷺ ہیں۔ ان کے نزدیک یہاں آپؐ کے فواد مبارک کی بات ہو رہی ہے۔ حضرت عائشہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے نزدیک دیکھنے والے حضرت جبرائیل امین ہیں۔

(۷) یَد (ہاتھ)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَجۡعَلۡ یَدَکَ مَغۡلُوۡلَۃً اِلٰی عُنُقِکَ﴾ (بنی اسراء یل:۲۹) ’’اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کے ساتھ باندھے نہ رکھو‘‘۔ یہ بخل کو بیان کرنے کے لیے مجاز ہے۔ اس میں مخاطب بظاہر نبی اکرم ﷺ ہیں' لیکن اس سے مراد آپؐ کی اُمت ہے۔

گویا اُمت کے ہر فرد کو بخل سے منع کیا جا رہا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے دست مبارک کے کیا کہنے ہیں۔ آپؐ کے ہاتھ سے پھینکی ہوئی کنکریاں اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کرتا ہے کہ وہ میں نے پھینکی ہیں۔ ارشاد ہے: ﴿وَمَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ۚ﴾ (الانفال:۱۷) ’’اور جب آپؐ نے (ان پر کنکریاں) پھینکی تھیں تو وہ آپؐ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکی تھیں‘‘۔ لیکن کنکریاں پھینکنے کا ذریعہ تو آپ ﷺ کے دست مبارک ہی بنے ہیں۔ یہ واقعہ غزوۂ اُحد میں پیش آیا کہ جب حضور ﷺ نے مٹھی بھر کنکریاں ہاتھ مبارک میں لے کر شَاھَتِ الۡوُجُوۡہ (چہرے بگڑ جائیں) فرماتے ہوئے کفار کی طرف پھینکیں' جس کے ساتھ ہی مسلمانوں نے کفار پر حملہ کر دیا۔

(۸) لِسَان (زبان)

لفظ لسان (زبان) بطور عضو اور لغت دونوں طرح استعمال ہوا ہے۔ بطور عضو کے مفہوم میں بیان ہوا: ﴿اَلَمۡ نَجۡعَلۡ لَّہٗ عَیۡنَیۡنِ ﴿۸﴾ وَلِسَانًا وَّشَفَتَیۡنِ ﴿۹﴾﴾ (البلد) ’’کیا ہم نے اس (انسان) کو دو آنکھیں نہیں دیں؟ اور ایک زبان اور دو ہونٹ نہیں دیے‘‘۔ لغت کے معنی میں یوں ارشاد ہوا: ﴿وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِہٖ لِیُبَیِّنَ لَہُمۡ ؕ﴾ (ابراھیم:۴) ’’اور ہم نے کوئی پیغمبر دنیا میں نہیں بھیجا' مگر اس طرح کہ اپنی قوم ہی کی زبان میں (پیامِ حق کی) وضاحت کرنے والا تھا‘‘۔ نبی کریم ﷺ کی اپنی زبان مبارک کے بارے میں حکم ہوا: ﴿لَا تُحَرِّکۡ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعۡجَلَ بِہٖ ﴿۱۶﴾﴾ (القیامۃ) ’’اس کو جلدی سیکھ لینے کے لیے اس (کے پڑھنے) پر اپنی زبان کو جلدی نہ چلاؤ‘‘۔ یہ اس لیے کہا گیا کہ وحی اترنے کے تقریباً آغاز میں آپ ﷺ وحی کے نازل ہونے کے ساتھ ساتھ اسے دہراتے تاکہ اس کو محفوظ کر سکیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا کہ آپ وحی کو محفوظ کرنے کے سلسلے میں جلدی نہ کریں۔ ہم اسے جمع کرنے کی ذمہ داری لیتے ہیں۔ آنحضور ﷺ کی زبانِ مبارک ہر وقت اللہ تعالیٰ کی یاد سے تر رہتی تھی۔ گویا آپؐ ذکرِ الٰہی میں بھی انسانیت کے لیے بہترین نمونہ ہیں۔

جاہلی تعلیمی اداروں میں

’’سیرت‘‘ اور ’’تاریخِ اسلام‘‘ کا مضمون

تالیف: محمد قطب — استفادہ: حامد کمال الدین

سکولوں سے لے کر کالجوں تک ’’سیرت‘‘ اور ’’اسلامی تاریخ‘‘ وغیرہ ایسے مضامین کا آغاز بالعموم ’’زمانۂ جاہلیت‘‘ کے مطالعہ سے ہوتا ہے‘ جس کے بعد طالب علم کو ’’زمانۂ نبوت‘‘ اور ’’قرونِ اولیٰ‘‘ کے مطالعہ کی طرف بڑھنا ہوتا ہے۔ اب یہ پہلا سبق جو ’’جاہلیت‘‘ کے مطالعہ سے متعلق ہوتا ہے‘ کس طرح پڑھایا جاتا ہے؟ سرکاری ادارے ہوں یا پرائیویٹ یا کوئی اور قسم‘ بالعموم یہ سبق یہاں پر کچھ اس طریقے سے شروع ہوتا ہے:

> ’’عرب‘ جاہلیت میں بُتوں کی پرستش کیا کرتے تھے‘ لڑکیوں کو درگور کر دیتے‘ شراب پیتے‘ جوا کھیلتے‘ لوٹ مار کرتے‘ قبائل ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتے۔ اسلام نے آکر لوگوں کو ان سب برائیوں سے روکا۔‘‘

’’جاہلیت‘‘ یا ’’زمانۂ جاہلیت‘‘ کا یہ جو وصف بیان ہوا‘ میں چاہوں گا ذرا میرے ساتھ آپ بھی اس کا ایک تجزیہ کریں — اس عبارت میں بظاہر کوئی غلط بیانی نہیں‘ مگر اس کی تہہ میں جائیں تو یہ خباثت سے لبریز ہے — ظاہر ہے اس عبارت میں کوئی غلط بیانی نہیں‘ زمانۂ جاہلیت میں عرب یقیناً ایسے ہی تھے جیسے جاہلی مدارس میں پڑھائے جانے والے اس سبق میں ذکر ہوا ہے۔ اور یقیناً اسلام نے آکر اس صورتحال کو تبدیل بھی کیا۔

اس عبارت میں خباثت کہاں پر ہے؟ خباثت یہ ہے کہ اس میں جاہلیت کا وہ ’’اصل جوہر‘‘ بیان نہیں ہوا جس کو مٹانے اور تبدیل کرنے کے لیے اسلام دنیا میں آیا ہے۔ یہ عبارت محض اور محض جاہلیت کے چند ’’مظاہر‘‘ سے بحث کرتی ہے اور وہ بھی اس جاہلیت کے مظاہر جو عربوں کی تاریخ کے ایک خاص حصے کے اندر پائی گئی اور جبکہ عین ممکن ہے ویسے ’’مظاہر‘‘

دوسری جاہلیتوں کے اندر نہ پائے جائیں۔ کیونکہ جاہلیت کا ’’اصل جوہر‘‘ ایک ہے جو کبھی نہیں بدلتا‘ البتہ ہر جاہلیت کے ’’مظاہر‘‘ اپنے اپنے ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے اسلام اس لیے نہیں آیا تھا کہ یہ ’’عرب جاہلیت کے مظاہر‘‘ کو ختم کرے۔ اسلام اس لیے آیا ہے کہ یہ جاہلیت کے ’’اصل جوہر‘‘ ہی کو نیست و نابود کرے۔ اسلام کسی ایک جاہلیت کو ختم کرنے نہیں آیا‘ یہ ہر جاہلیت کو ختم کرنے آیا ہے اور اس کی جگہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری پر قائم زندگی کا پورا ایک تصور دینے آیا ہے۔

دوسرے لفظوں میں جب ہم طالب علم کے ذہن میں اسلام کا کردار اسی ایک بات کے اندر محصور کر دیں گے کہ اسلام کو جاہلیت کے یہ خاص ’مظاہر‘‘ ختم کرنا تھے‘ تو پھر اس طالب علم کے اپنے زمانہ میں اسلام کا کیا کردار باقی رہ جاتا ہے اور وہ کون سی مہمّات ہیں جو اسلام کو خود اس کے دور میں سر کرنا ہیں؟

طالب علم اب یہ سبق پڑھ کر باہر معاشرے میں آتا ہے تو اس کو ’’بتوں‘‘ کی پرستش کہیں نظر نہیں آتی۔ اچھا تو اسلام دنیا میں جو مہمّات سَر کرانے آیا ہے ان میں سے پہلا بند تو ساقط ہوا‘ ’’بُت‘‘ تو یہاں دُور دُور تک کہیں نہیں پوجے جا رہے!

پھر وہ دیکھتا ہے‘ یہاں تو لڑکیاں بھی کہیں درگور نہیں ہوتیں! بلکہ معاملہ سراسر الٹا ہو چکا ہے۔ لڑکیاں تو یہاں ’’دندناتی‘‘ پھر رہی ہیں! ان لڑکیوں کو تو وہ ’’آزادی‘ حاصل ہے کہ الامان والحفیظ! — اچھا تو پھر اسلام کو جو مہمات سر کرنا تھیں‘ اس کا دوسرا بند بھی ساقط ہوا!

ہاں کچھ لوگ‘ اور وہ بھی ظاہر ہے کچھ ہی ہیں‘ کہیں کہیں شراب پی لیتے ہوں گے۔ بعض جگہوں پر جوا بھی کھیل لیا جاتا ہے۔ بہرحال اسلام نے ان لوگوں کو یہ بتا کر کہ شراب حرام ہے اور جوا کھیلنا کتنی بری بات ہے‘ اپنا ’’اخلاقی فرض‘‘ تو ادا کر ہی دیا ہے۔ اتنے سارے لوگ ہیں جو معاشرے میں شراب نہیں پیتے اور جوا کھیلنے ایسے واقعات بھی ان کی زندگی میں پیش نہیں آتے۔ آخر یہ بھی تو اسلام کی ان ہدایات کو مانتے ہی ہیں۔ اب کچھ لوگ برائیوں میں پڑے ہوئے ہیں اور اسلام کی بات ان پر بے اثر ہو رہی ہے تو کیا کیا جا سکتا ہے؟ ’’گناہگار‘‘ تو بہرحال دنیا میں ہوتے ہی ہیں۔ زیادہ لوگ تو بہرحال ایسے ہیں جو ان دونوں برائیوں میں نہیں پڑتے! — یعنی یہ بند بھی سمجھو ختم ہی ہوا!

رہ گئی لوٹ مار اور قبائل میں آپس کی خونریزی — تو مار دھاڑ اور قتل و خونریزی کی روک تھام کے لیے آج کے دور کے اندر ’’سسٹم‘‘ وجود میں آ گئے ہیں۔ یہاں پولیس ہے‘ امن عامہ کے ادارے ہیں‘ سول حکومتیں ہیں۔ امن خراب کرنے والے عناصر کو پکڑنے کا پورا پورا

بندوبست ہے۔ ان کو کیفر کردار تک پہنچانے کے انتظامات بھی خوب ہیں۔ کوئی بے قاعدگی ہو جاتی ہو گی تو یہ ''مس مینجمنٹ'' کا مسئلہ ہے' جو کہ لاینحل نہیں......!

اچھا تو پھر اسلام کو اب دنیا میں کیا کرنا ہے؟ آج کے اس دور میں وہ کون سا کردار ہے جو اسلام کو ہر حال میں ادا کرنا ہے اور وہ کون سی مہمات رہ جاتی ہیں جنہیں از روئے اسلام یہاں سر کرایا جانا ہے؟

سچ پوچھیے تو کچھ بھی نہیں! —— یعنی اسلام کو جو کرنا تھا وہ صدیوں پہلے انجام پا چکا......! اب کیا باقی ہے جسے اسلام ان معاشروں کے اندر انجام دے!!!

یہ وہ پیغام ہے جو ''اسلامی تاریخ'' اور حتیٰ کہ ''سیرت'' ایسے مضمون کے پہلے ہی سبق سے یہاں کے ایک نونہال کو دینا مقصود ہوتا ہے۔ اب یہ طالب علم خود ہی سمجھ لے گا کہ اسلام ایک خاص زمانے کے لیے آیا تھا جب اسلام کی دنیا میں ''بہت ضرورت'' تھی۔ اسلام کی ''ضرورت'' بھی تب بہت زیادہ تھی اور اسلام کے لیے ''کرنے کے کام'' بھی بہت زیادہ تھے۔ ہاں البتہ آج معاملہ مختلف ہے۔ کام بہرحال چل رہا ہے۔ مختصر یہ کہ اسلام جس زمانے کے لیے آیا تھا وہ تاریخ کا ایک خاص دور تھا' یعنی قدیم کا ایک زمانہ اور بس......!

ظاہر ہے معاملہ اس سے بالکل مختلف ہوتا اگر یہاں جاہلیت کے ''اصل جوہر'' کا تعارف کرانے پر زور دیا جاتا اور اسلام کے دنیا میں آنے کی ''اصل وجہ'' پر بھی اس نونہال کی توجہ مرکوز کرا دی جاتی۔ اگر اس کو یہ بتایا جاتا کہ ''دین'' آدم علیہ السلام سے لے کر محمد ﷺ تک کی نبوت تک یہی تھا اور یہی ہے کہ انسانوں کو خدائے واحد کی عبادت پر لے کر آیا جائے۔ مخلوق کے آگے بجا لائی جانے والی بندگی اور عبادت کی ہر ہر صورت سے نکال کر انسان کو اللہ کی بندگی اور عبادت میں دیا جائے۔ یہاں تک کہ انسانی معاشروں میں صرف اور صرف اللہ کی عبادت ہو اور اس کے ماسوا کسی کی عبادت نہ ہو۔ اور ''عبادت'' بھی اپنے جامع ترین معنی میں' یعنی ''اعتقاد'' کے اندر بھی اللہ کی تنہا و بلاشرکت غیرے عبادت' ''شعائرِ عبادت'' پیش کرنے میں بھی اللہ کی تنہا و بلاشرکت غیرے عبادت' زندگی کے ہر ہر معاملہ میں اس کی ''شریعت کی تحکیم'' کے حوالہ سے بھی اس کی تنہا و بلاشرکت غیرے عبادت۔ ان سب پہلوؤں سے زمین میں کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرانے دینا اور ان سب پہلوؤں سے اللہ کے ماسوا کسی کی ہدایت پر نہ چلنا (جبکہ ان میں سے کسی بھی پہلو سے اللہ کا شریک کھڑا کرنا اور اس کے ماسوا کسی کی ہدایت پر چلنا ہی جاہلیت کا ''اصل جوہر'' ہے)۔ یہ وہ ''دین'' ہے جو آدم تا محمد (ﷺ) مشروع ٹھہرا رکھا گیا ہے۔ علاوہ

اس خصوصی اضافہ کے کہ یہ آخری رسالت' جو کہ خاتم النبیین ﷺ کی رسالت ہے۔ پچھلی تمام رسالتوں کے برعکس' پوری انسانیت کے لیے ہے' ہر دور' ہر زمانے اور ہر معاشرے کے لیے ہے' اور قیامت تک کے لیے ہے۔

کتنا فرق ہوتا اگر اس نونہال کو اسلام اور جاہلیت کی یہ تصویر اس انداز سے دکھائی جاتی! وہ ''جوہری حقیقت'' جس کے لیے ''دین'' آیا ہے اُس پر یوں عیاں کی جاتی اور وہ خصوصیت جو اس آخری آسمانی رسالت کو حاصل ہے اس انداز سے اُس پر واضح کی جاتی!

یقیناً یہ زمین آسمان جیسا فرق ہوتا!

اس دین کا کام نہ ماضی میں کبھی ختم ہوا تھا' نہ آج ختم ہوا ہے اور نہ مستقبل میں کبھی ختم ہوگا۔ اس دین کا کام کبھی ختم نہیں ہوگا۔ جب تک دنیا کے اندر ایک بھی شخص ایسا ہے جو ربّ العالمین کے ساتھ شرک کرتا ہے' اس دین کا کام باقی ہے۔ جب تک دنیا کے کسی ایک بھی گوشے میں اللہ کے سوا الٰہ کھڑے کیے جاتے ہیں' جب تک دنیا میں اللہ کے ماسوا ہستیوں کے آگے شعائرِ عبادت پیش کیے جاتے ہیں' اللہ کے ماسوا کسی کی شریعت اور کسی کے قانون کو حکم ٹھہرایا جاتا ہے' تب تک اس دین کی مہم باقی ہے۔

یہی نہیں' اگر یہ بھی تصور کر لیا جائے کہ بفرض محال سب کے سب اہلِ زمین ایمان لے آئے ہیں (جو کہ ممکن نہیں' کیونکہ یہ اللہ کی ٹھہرائی ہوئی قدر کے خلاف ہے) تب بھی اس دین کا کام ختم نہیں ہو جاتا۔ کیونکہ اس صورت میں اس دین کا کردار یہ ہوگا کہ لوگ اپنے اس ایمان پر اور اللہ کے ساتھ بندگی کے خاص اس رشتے پر دلجمعی کے ساتھ باقی رہیں۔ تب بھی یہ دین ان کو ان کا فرض بتانے اور یاددہانی کرانے کے لیے باقی رہے گا' کہ خدائی حکم ہے کہ لوگوں کو اپنے مالک کی بابت ان کے فرائض اور ذمہ داریاں یاد دلائی جاتی رہیں:

﴿وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٥٥﴾﴾ (الذّٰریٰت)

یہ ہم اس مفروضہ صورت کی بات کر رہے ہیں جب پوری دنیا ایمان لا چکی ہو۔ اب اس حالیہ صورت میں کیا خیال ہے جب دنیا شرک سے بھری پڑی ہے! شرک کی کوئی نوع نہ ہوگی جو آج پائی نہ جاتی ہو۔ چاہے وہ بت پرست قوموں اور تہذیبوں کا شرک ہو' چاہے وہ تحریف زدہ آسمانی رسالتوں کے حاملین مانند یہود و نصاریٰ کا شرک ہو' یا وہ شرک ہو جو غیر اللہ کی اتباع کے معاملہ میں ہو اور جس کی رو سے اللہ کی شریعت کو چھوڑ کر جاہلی شرائع و قوانین کی تحکیم ہوتی ہے۔

باقی دُنیا کا معاملہ تو رہا ایک طرف' خود عالمِ اسلام ہی کے بارے میں کیا خیال ہے جہاں

آسمان سے اتری ہوئی شریعت بے دخل ٹھہرائی جا چکی ہے اور اس کی جگہ جاہلی قوانین کو حکم ٹھہرایا جا چکا ہے!!

کتنی بڑی مہم ہے جو دینِ اسلام کو دنیا کے اندر آج درپیش ہے۔ اس سے بڑھ کر آخر کیا مہم ہو سکتی ہے کہ انسانیت کو آج اس شرک سے نکال کر توحید کی روشنی میں لایا جائے۔ مگر یہی تو وہ بات ہے جس کو ان نونہالوں کے اذہان سے دور رکھا جانا مقصود ہے۔ اسی بات کا تو خیال رکھا جانا ہے کہ مسلم بچوں کا ذہن کہیں اس طرف کو نہ چلا جائے......!

اُمت کے بچوں کا ذہن کہیں اس طرف کو نہ چلا جائے کہ مصر میں' پاکستان میں' بلکہ عالمِ اسلام کے قریب قریب ہر گوشے میں اسلام کی شریعت کو دیس نکالا دے رکھا گیا ہے۔ اندازہ کیجیے ''عالمِ اسلام'' جس سے ''اسلام'' بے دخل ہے!— ''اسلام'' کی سرزمین' جس پر ''جاہلی قوانین'' کی فرمانروائی ہے!— کیونکہ اُمت کے بچے اگر یہ سبق پڑھنے لگے تو اس سے لازم آئے گا کہ مصر میں' پاکستان میں' بلکہ عالم اسلام کے قریب قریب ہر گوشے میں اُمت پر یہ فرض ہو کہ وہ اسلام کی سرزمین کو جاہلی قوانین کی فرمانروائی سے چھڑانے کے لیے برسرِ جہاد ہو جائے اور صلیبیوں کو ان کے قانون اور ان کی تہذیب سمیت عالم اسلام سے نکال باہر کیا جائے!

انگریز یہاں تھے تو بھی ان کے پروردہ نظامِ تعلیم میں ''سیرت'' اور ''تاریخِ اسلام'' کے حوالے سے پہلا سبق یہی پڑھایا جاتا تھا اور آج بھی یہ سبق ویسے کا ویسے پڑھایا جاتا ہے۔ یعنی ''جاہلیت'' جس کو ''اسلام'' ختم کرنے آیا تھا وہی تھی جو بڑی دیر ہوئی دنیا سے ناپید ہو چکی! اب اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ یہاں انگریز ہو یا انگریز کا قانون ہو۔ جاہلی تہذیب' جاہلی آئین' جاہلی شریعت جو مرضی ہو' ''جاہلیت'' ایک دور کا نام تھا سو ختم ہوا' اب ''اسلام'' کو کسی بات' کسی آئین' کسی شریعت' کسی رسم اور کسی دستور سے کیا پرخاش!!!

ایک نہایت سوچے سمجھے مقصد کے تحت فکر و نظر کا یہ مسخ عمل میں لایا جاتا ہے۔ کفر کے ان مدارس سے ہر سال ہزاروں دماغ جو فارغ التحصیل ہو کر نکلتے ہیں' کہیں یہ سبق نہ پڑھ لیں کہ ''اسلام'' کا کام دنیا میں ابھی باقی ہے اور وہ خود ان کے اپنے عہد کے اندر بھی انجام دیا جانا ہے!!!

☆☆☆☆

اس کے بعد زمانۂ نبوت اور اسلام کے عہدِ اوّل کی بابت اسباق شروع ہوتے ہیں۔ ''تفصیلات'' بے شک خاصی زیادہ دے دی جاتی ہوں' مگر جس طرح ''دورِ جاہلیت'' سے

متعلقہ اسباق میں جاہلیت کا ''اصل جوہر'' بتانے سے گریز کیا گیا تھا تاکہ خود ان کی اپنی جاہلیت پر زد نہ پڑے' عین اُسی طرح ''دورِ اسلام'' سے متعلقہ اسباق کے دوران اسلام کا ''اصل جوہر'' اس پورے تعلیمی عمل سے روپوش رہتا ہے۔ آخر وہ کیا چیز تھی جس کو اسلام نے آ کر ختم کیا تھا؟ وہ کیا چیز تھی جس کو اسلام نے آ کر قائم کیا تھا؟ زمانہ نبوت کا مطالعہ پیش نظر ہے' تو آخر کیا بات تھی جس کے بیان پر رسول اللہ ﷺ نے اپنا پورا زور صرف کر دیا تھا؟ کس چیز کے ساتھ آپ دنیا کے اندر مبعوث ہوئے تھے؟ کس چیز کی طرف دعوت دینے میں رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی بِتا دی؟ کس چیز کو زمین کے اندر تمکین دلانے کے لیے نبی ﷺ نے ایک جہادِ عظیم برپا کروایا؟— سب کچھ ''گول'' کر دیا جانا آخری حد تک ضروری ہے!!!

وائے افسوس! مستشرقین کا عالمِ اسلام کے نونہالوں کے لیے ترتیب دیا گیا نظامِ تعلیم! مستشرقین کا وضع کردہ ''اسلامیات'' اور ''تاریخِ اسلام'' کا مضمون! عالمِ اسلام کے وسط میں بیٹھ کر مسلم بچوں کو ان کے دین کے اسباق پڑھا جانا!

''زمانۂ نبوت'' اور ''اسلام کے عہدِ اوّل'' کی بات ہے اور سامنے مسلمانوں کے بچے بیٹھے ہیں تو ''دورِ نبوت'' کی کچھ روشنی تو چھوڑنا ہی پڑے گی' مگر یہ روشنی بہت تھوڑی دیر کے لیے رہنے دی جاتی ہے۔ ''دورِ نبوت'' اور ''اسلام کے عہدِ اوّل'' (قرونِ اولیٰ) کے مطالعہ کے دوران تھوڑی ہی دیر گزرتی ہے کہ یکایک ''روشنی'' گل کر دی جاتی ہے۔ لیجیے اسلام کی ''سیاسی تاریخ'' شروع ہوتی ہے! بلکہ یوں کہیے' اسلام کے عہدِ اوّل کے وہ حصے ''بالتفصیل'' سامنے لے آنا ضروری ہو جاتا ہے جن میں واقعتاً انحراف کا حملہ ہو جاتا رہا ہے۔ قرونِ اولیٰ کا تمام تر حسن اور تابناکی چھوڑ کر محض اور محض اس دور کی ''سیاست'' کے کچھ ابواب — یہ ہے ''قرونِ اولیٰ کی تاریخ'' پڑھانے کا استشراقی منہج!

اس میں کیا شک ہے کہ انحراف اس اُمت میں بھی بہرحال آیا ہے' خصوصاً مسلمانوں کی سیاسی زندگی میں اس کا ایک بھرپور حملہ ہوا ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ یہ انحراف خاصا پہلے سے شروع ہو گیا تھا' یعنی دورِ اُموی سے ہی۔ اقتدار پر قبضہ کرنے یا اقتدار برقرار رکھنے کے لیے مسلم ایوانوں میں یقیناً وہ ہتھکنڈے استعمال ہوئے جن کی اسلام میں کوئی گنجائش ہے اور نہ وہ کسی مسلمان کے لائق ہیں۔ یہ اعتراف کرنے میں یقیناً ہمیں کوئی مانع نہیں۔

ہاں مگر اسلام کے اس عہدِ اوّل میں صرف اور صرف یہ انحراف اور یہ بگاڑ ہی نمایاں سے

نمایاں کر کے دکھانا‘ گویا اس عہد کے دامن میں ایک سیاسی انحراف اور بگاڑ کے سوا کچھ ہے ہی نہیں‘ اور اس کے ماسوا ہر چیز کو روپوش کرا دینا‘ قرونِ اولیٰ کی سب خیر کو کمال چالاکی کے ساتھ معدوم کر جانا—— یہ البتہ ایک خاص منصوبہ بند عمل ہے‘ جس کا زہر یہاں کے پڑھے لکھے ذہنوں میں پوری شیطنت کے ساتھ اتارا گیا ہے۔ یقیناً اس کے پیچھے ایک دور رس ذہنیت کارفرما رہی ہے اور آج عالم اسلام کے اچھے اچھے مخلص ذہنوں کو قرونِ اولیٰ کی تاریخ سے برگشتہ کرا دینے اور ان میں اسلام کے عہد اوّل کی بابت ایک طرح کی ’’شرمندگی‘‘ پیدا کر دینے میں مستشرقین کا یہ کمال کا ایک ابلیسی حربہ رہا ہے۔

قرونِ اولیٰ کی تاریخ پڑھانے کے دوران اگر پوری تصویر دکھائی جاتی‘ اور جیسی خوبصورت وہ تصویر ہے اتنی ہی خوبصورت کر کے دکھائی جاتی‘ پھر بے شک حکمرانوں کا یہ بگاڑ بھی اس تصویر کے ایک بدنما حصہ کے طور پر دکھایا جاتا‘ تو آپ سوچ سکتے ہیں معاملہ کس قدر مختلف ہوتا!

اُمت میں بگاڑ آنے کا عمل یقیناً شروع ہوا تھا‘ خصوصاً سیاسی شعبوں کے اندر‘ مگر ’’اسلام‘‘ اپنی اس تمام تر تابناکی کے ساتھ جو اُس نے جاہلیت کو ختم کر کے قائم کی تھی‘ وجود سے ختم نہیں ہو گیا تھا! مسلم معاشروں کے کثیر جوانب میں اسلام اپنی بے حد وحساب برکات کے ساتھ پھر بھی قائم تھا۔ ایمان کے بے شمار حقائق مسلم سماج پر پھر بھی راج کر رہے تھے۔ خلقِ خدا اس کے ثمرات سے پھر بھی محظوظ ہو رہی تھی۔ شوکت وعظمت کے بے شمار پہلو اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ پھر بھی باقی تھے۔ صحابہؓ والی بلندی سے خاصا نیچے آ جانے کے باوجود مسلم معاشرے پھر بھی وہ تصویر پیش کر رہے تھے جن پر مسلمان جتنا فخر کریں کم ہے۔

مگر لارڈ میکالے کے تاسیس کردہ نظام میں ’’تاریخِ اسلام‘‘ کا جو مطالعہ کروانا مقصود ہے‘ اس کا یہ مقصد تھوڑی ہے کہ مسلمان اپنی ابتدائی صدیوں پر فخر کرنا سیکھے۔ قرونِ اولیٰ کے ساتھ مسلم نونہال کی یہ وابستگی اور عہدِ اوّل پر فخر کرنے کا یہ احساس ہی تو وہ چیز تھا جس کو کچلنے کے لیے مطالعہ تاریخ کا یہ نظام وضع کیا گیا ہے۔

پس نہایت ضروری ہو جاتا ہے کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں‘ خصوصاً قرونِ اولیٰ کے سب تابناک صفحات اپنے اس مطالعہ نگار سے روپوش کرا دیے جائیں۔ یا یوں کہیے‘ تاریخِ اسلام کا پورا ایک روشن تابناک صفحہ اس کی نگاہ سے چھپا دیا جائے اور اس صفحہ پر پائی جانے والی ایک باریک سیاہ لکیر ہی نمایاں طور پر نظر آنے دی جائے‘ کہ دیکھو یہ ہے ’’تاریخِ اسلام‘‘!

نہایت ضروری ہو جاتا ہے کہ قرونِ اولیٰ کے مطالعہ نگار کے سامنے یہ بات نمایاں نہ ہونے دی جائے کہ اس عہد میں اس اُمت نے آدھی دنیا کا اعتقاد درست کرایا تھا۔ بحرِ اوقیانوس سے لے کر کوہِ ہمالیہ اور اس سے بھی پرے تک بسنے والی انسانی مخلوق کو خدا کا درست تعارف کرایا تھا۔ اس کے دم سے براعظموں کے براعظم خدائے واحد کو پوجنے لگے تھے۔ ملکوں کے ملک تاریکیوں سے نکل کر روشنی میں لے آئے گئے تھے۔ شرق تا غرب اُس عدلِ ربّانی کو قائم کرایا گیا تھا جو آسمانی شریعت کے نفاذ کا طبعی تقاضا ہے۔ معمورۂ ارض کے بڑے حصے میں اس اُمت نے تب شریعت خداوندی کو بہر حال قائم کر رکھا تھا۔ خاص طور پر اسلام کے ان وسیع وعریض خطوں میں رہنے والے وہ لوگ جو اس دین میں داخل نہیں ہوئے تھے‘ ان کو جو عدل اور جو احسان میسر کرایا تھا‘ اس کی مثال کہیں مل ہی نہیں سکتی!

’’توسیعِ اسلام‘‘ کے اس تاریخی واقعے کو یوں دکھانے کی بجائے کچھ اس طرح دکھایا جانا ضروری تھا کہ محض یہ ’’کشور کشائی‘‘ کا ایک عمل تھا۔ یہ کچھ ’’جنگی کارروائیاں‘‘ تھیں جن کی بابت زیادہ سے زیادہ کوئی چیز نمایاں کی جا سکتی ہے تو وہ مسلمانوں کی دلیری کے کچھ حیرت انگیز واقعات ہیں اور ’’مسلم کمانڈروں‘‘ کی کمال کی عبقریت اور جنگی چالوں پر ایک حیران کن قدرت کا مالک ہونا!—— البتہ تھی یہ قوموں کو محکوم بنانے اور ملکوں کو زیر کرنے کی ایک نہایت کامیاب مہم!

اس مطالعہ نگار سے یہ حقیقت روپوش کرا رکھنا بھی بے حد ضروری ہو جاتا ہے کہ اتنا طویل عرصہ مسلم معاشرے کس پاکیزگی کا نقشہ پیش کرتے رہے تھے۔ یہ تمام تر صدیاں‘ مسلم معاشرے کیونکر فواحش کی غلاظت سے پاک رکھے گئے تھے۔ عزتیں اور آبروئیں کیونکر محفوظ و مامون تھیں۔ کیونکر ایسا تھا کہ نہ کسی کو عصمتوں کے لٹنے کا خطرہ اور نہ نسب برباد ہو جانے کا خوف۔ جہاں بھی دولت اسلامی کا اقتدار محکم ہوتا وہاں امن وچین کا وہ راج ہوتا جو ان اقوام نے اس سے پہلے کبھی دیکھا اور نہ سنا۔ آسمانی شریعت کی تحکیم کے سائے میں ہر کسی کی جان بھی محفوظ اور مال بھی‘ راحت بھی اور ذرائع رزق بھی!

یہ بھی بہت ضروری تھا کہ اس بھاری بھر کم تحریک کو بھی اس ’’مطالعہ‘‘ کے دوران روپوش کرا دیا جائے جس نے اسلام کی عقلی وفکری جہتوں سے جنم پا کر کائنات کے معروضی طریقۂ مطالعہ کا آغاز کرایا تھا۔ عقلِ انسانی کو حقیقی سائنسی جہتوں سے ہمکنار کرایا تھا اور آدھی دنیا کے دماغوں کو خدا کی اس کائنات کے مطالعہ وتحقیق کی نئے سرے سے ایک دعوت دی تھی‘ بلکہ عقل

انسانی کا ہاتھ پکڑ کر ایک راہ پر ڈال دیا تھا' جس سے بعد ازاں یورپ کو بھی بہرہ مند ہونے کا موقعہ ملا۔ یورپ کی پوری نشاۃِ ثانیہ کی پوری بنیاد مسلم عقل کی دی ہوئی انہی سائنسی جہتوں پر اٹھائی گئی' اور یورپ کو یہ خیر اُسی وقت ملی جب زمین کے کچھ خطوں میں اُس کو مسلمانوں کے ساتھ گھلنا ملنا نصیب ہوا۔

یہ بھی بہت ضروری تھا کہ وہ دیوہیکل تہذیبی عمل بھی اس مطالعہ نگار سے روپوش کرا رکھا جاتا جس کو اسلام کی ان ابتدائی صدیوں نے جنم دیا تھا۔ یہ حیرت انگیز تہذیبی ترقی اپنے دونوں پہلوؤں سے کسی بھی مطالعہ نگار کی نگاہوں کو خیرہ کر دینے کے لیے کافی تھی: اپنے روحانی واخلاقی پہلوؤں سے بھی کہ کیونکر جہان میں اس اُمت کے دم سے بہترین اخلاقی قدریں راج کرنے لگیں یہاں تک کہ انسانیت اپنی ترقی کی اوج پر پہنچ گئی۔ اور مادی پہلوؤں سے بھی کہ کیونکر اس اُمت کے دم سے انسان نے زمین پر آبادکاری گویا ایک نئے سرے سے سیکھی۔ شہر بسانے اور بستیاں آباد کرنے کی انتظامی وعمرانی جہتیں بھی یہی اُمت دنیا کو سکھاتی رہی۔ سماجی علوم میں جو گہرائی اس اُمت کی علمی شخصیات کو نصیب ہوئی اور ''انسان'' کے مطالعہ کی جو تاسیس اس اُمت کے عباقرہ کے ہاتھوں ہوئی' بعد کی تمام تر پیش قدمی اسی کی مرہونِ منت رہی۔

اور خاص طور پر' یہ بات اوجھل رکھی جانا تو بے حد ضروری تھا کہ اسلامی غلبہ واقتدار کے زیر سایہ' عقل انسانی وحی خداوندی کے ساتھ عدم تصادم ایسی نایاب ترین نعمت سے کیونکر محظوظ ہوتی رہی تھی! ظاہر ہے یہ تو خصوصیت ہی وحی محفوظ سے جنم پانے والی تہذیب کو حاصل ہو سکتی تھی۔ اس کے دم سے ایک آدھی دنیا کے باشندے اپنی روح اور اپنے ضمیر کے ساتھ برسرِ جنگ رہنے کی آزمائش سے بچے رہے تھے اور یہ نعمت ان کو بڑی صدیوں تک حاصل رہی تھی۔ اس کی بدولت وہ اپنے سامنے روحانی و مادی ہر دو ترقی کے راستے بیک وقت کھلے پاتے تھے۔ دنیا اور آخرت ہر دو میدان میں بیک وقت پیش قدمی کی سہولت سے فیض یاب ہوتے رہے۔ یوں ''انسان'' کو روح اور مادہ کے مابین دولخت ہونے کی اذیت ناک صورت حال سے بڑی صدیوں تک چھٹکارا ملا رہا تھا! ایک ہی خوبصورت لڑی میں انسانوں کی ''دنیا'' بھی پروئی جاتی اور ''آخرت'' بھی!

''تاریخِ اسلام'' پڑھنے والے شاگرد رشید کی نگاہ سے یہ اتنی ساری خیر اوجھل کرادی گئی تو پھر پیچھے بچا کیا؟

سوائے دو خبیث ترین دلالتوں کے' جو کہ باقاعدہ مقصود تھیں:

ایک' یہ کہ اسلام کو راج کرنے کے لیے چند ہی سال نصیب ہوئے اور یہ چشم زدن کا عرصہ خلفائے راشدین کے ساتھ ہی رخصت ہوا۔ اس کے بعد اسلام کا راج ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دنیا سے جاتا رہا!

دوسری' یہ کہ بس اس ایک محدود عرصے کے سوا' جس کا نام خلافت راشدہ ہے بلکہ خلافتِ راشدہ کا بھی ایک چھوٹا سا حصہ' تاریخ اسلام تمام تر قدروں اور اعلیٰ معیارات سے خالی ہے' اور یہ کہ اس کے دامن میں وہ عظیم الشان قدریں پائی ہی نہیں جاتیں جو کرۂ ارض پر انسانی وجود اور انسانی نشاط کو اعلیٰ ترین جہتوں سے ہمکنار کرتی رہی ہوں اور انسان کے عمرانی سفر کو چار چاند لگوا سکتی رہی ہوں! تاریخِ اسلام کی بابت اس تمام تر منہجِ مطالعہ کی اصل دلالت یہی تھی کہ یہ مار دھاڑ کی ایک ہسٹری ہے اور شہزادوں کی رقابت اور تختے الٹے جانے کی ایک خونچکاں روئیداد اور محلاتی سازشوں کی ایک داستانِ غیر اختتام پذیر!

''تاریخِ اسلام'' کا چیپٹر یوں ختم کرایا گیا' اور اب ''یورپ'' کا چیپٹر کھلتا ہے......!

''یورپ'' آگہی کا نام ہے! ''یورپ'' تہذیب کا نام ہے! جمہوریت کا نام ہے! حقوقِ انسانی کا نام ہے! صنعتی ترقی کا نام ہے! اعلیٰ قدریں' بلند معیارات' عمدہ اخلاق' سب یورپ پر ختم ہیں! ''یورپ'' اس کامل ترین اور مثالی ترین صورت کا نام ہے جس پر وجودِ انسانی کا ہر ہر پہلو سے اور ہر ہر میدان کے اندر پایا جانا واجب ہے! یہ نہیں تو پھر ''انسانیت'' کے دامن میں تاریخ کے اندر پیش کرنے کے لیے کیا رہ جاتا ہے؟

یہاں البتہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ سب وحشت ناکیاں اور ظلم و بربریت کی وہ سب داستانیں نظر سے اوجھل کرادی جائیں جو استعمار کے ہاتھوں دنیا کے اندر سامنے آئیں۔ کس کس طرح استعمار نے ہر اس سرزمین میں جہاں اس کے پیر لگے آگ اور خون کا بدترین اور بے رحم ترین کھیل کھیلا' خصوصاً عالمِ اسلام پر قبضہ کرتے وقت اور پھر اس قبضہ کو مستحکم کرنے کے لیے کیا کیا ظلم ڈھائے گئے' سب کچھ ''ناقابلِ ذکر'' ہو جاتا ہے! جنگوں میں یوں تو ہو ہی جاتا ہے!— بارود کے اتنے بڑے بڑے ڈھیر' یک دم روپوش! یہ اوجھل کرا رکھنا بھی بے حد ضروری تھا کہ عالمِ اسلام کو قبضہ میں لانے کے پیچھے پیچھے کون کون سے صلیبی اغراض و مقاصد کارفرما تھے۔ اخلاق کے میدان میں یورپ کا وہ دیوالیہ پن جو اُس کو اُس وقت بھی لاحق تھا جب وہ ہمیں یہاں پر علم و معرفت کی تعلیم دینے بیٹھا تھا' نظر انداز کرا رکھنا ضروری تھا!

’’مادے‘‘ کی اس کثیر منزل ترقی کے ملبے تلے ’’روح‘‘ کس بُری طرح کراہ رہی تھی‘ نہایت ضروری تھا کہ اس کی سسکیاں بھی اپنے اس شاگردِ رشید کو ہرگز نہ سننے پائیں!

یہ تھا وہ منہج جو اپنے ان معصوم بچوں کو ’’تاریخ‘‘ پڑھنے کے لیے دیا گیا۔ ’’تاریخ‘‘ اپنے ہر دو ادوار کے ساتھ۔ یعنی ’’تاریخ‘‘ کا وہ حصہ بھی جو ’’عہدِ اسلامی‘‘ سے متعلق ہے اور وہ حصہ بھی جو ’’یورپی دور‘‘ سے متعلق ہے! اس سسٹم کو وہ منہج حاصل تھا جو ہمارے اس بچے کے سامنے ہر دو تاریخ کی ایک نہایت غیر حقیقی تصویر پیش کر کے دکھائے‘ باوجود اس کے کہ ہر دو ادوار کی بابت وہ بہت سی ’’معلومات‘‘ جو فراہم کی گئی تھیں بالکل صحیح اور مستند تھیں!

غلط اور بے بنیاد معلومات دے کر گمراہ کرنا ایک ناپختہ طریقہ ہے اور یہ ’’سسٹم‘‘ ایسی کچی گولیاں بالعموم نہیں کھیلتا۔ وہ گمراہ کرنا کیا ہوا جو جھوٹ بول کر ہو! اصل واردات یہ ہے کہ گمراہ کرنے کے لیے سچ کا استعمال ہو! ’’کاریگری‘‘ اصل میں تو یہ ہے!!! آخر مغربی تحقیق نگاروں اور ان کے آگے زانوئے تلمذ طے کرنے والے ہمارے یہاں کے نابغاؤں کی ’’صحتِ معلومات‘‘ اور ’’علمی دیانت‘‘ کا بھی تو اپنے یہاں بہت شہرہ ہے۔

یہ ’’سچ کا استعمال کر کے گمراہ کرنا‘‘ کیا ہے؟ ایک بے حد سادہ عمل ہے: ایک صفحے کا سیاہ سیاہ حصہ ہی سامنے لے کر آئیے۔ اس کے مقابلے میں دوسرے صفحے کا سفید سفید حصہ ہی دکھائیے۔ آپ کی ’’علمی و تحقیقی دیانت‘‘ کی دھاک بھی باقی رہی اور ہر دو صفحے بھی دیکھنے والے کو کچھ سے کچھ نظر آئے!

کوئی یہ بھی نہیں کہہ سکے گا کہ آپ ہمارے بچوں کو جھوٹ پر مبنی معلومات دے رہے ہیں۔ معترض کو ایک لمحہ تاخیر کے بغیر یہ سب باتیں کتابوں سے نکال کر مع حوالہ جات دکھائی جاسکتی ہیں۔ البتہ وہ مقصد بھی‘ جو حاصل کرایا جانا یہاں پر مقصود ہے اور جس کے لیے بعض اناڑی دشمنانِ اسلام کبھی جھوٹ کا سہارا لیتے رہے ہوں گے‘ بدرجہ اتم پورا ہوتا ہے!

طریقہ بہت سادہ ہے—— ’’تاریخِ اسلام‘‘ کا صفحہ کھلوائیے‘ تو اس پر پائے جانے والے بعض سیاہ دھبے ہی نظر آنے دیجیے اور اس کا بڑا حصہ جو کہ سفید اور روشن و تابناک ہے‘ یکسر نظر انداز کروا دیجیے۔ ’’اسلامی ادوار‘‘ سیاہ ہی سیاہ نظر آئیں گے!—— ’’یورپی دور‘‘ کا صفحہ کھلوائیے‘ تو اس کے سفید حصے ہی نظر آنے دیجیے‘ اور اس کا ایک بے حد بڑا حصہ جو کہ آخری حد تک سیاہ ہے‘ یکسر نظر انداز کروا دیجیے۔ ’’یورپی‘‘ ادوار ’’روشنی‘‘ اور ’’افزودگی‘‘ کا ہی ایک مترادف لفظ نظر آنے لگے گا!

’’تاریخ‘‘ کے یہ دونوں ادوار جب اس خاص منہج کی مدد کے ساتھ پڑھا دیے جائیں گے‘ تو بھلا کیا چیز برآمد ہوگی؟

مسلم وسائل کے بے حد وحساب خرچ سے چلنے والے نظام تعلیم سے ایسی نسلوں کی بڑی بڑی کھیپیں برآمد ہوں گی جن کا انگ انگ شعوری طور ’’مسلمان‘‘ ہونے سے ابا کرے۔ یہ ایسی نسلیں ہوں گی جو اسلام کے ساتھ کوئی لگاؤ رکھیں گی تو بھی اس کو زمانۂ قدیم کی کوئی چیز سمجھتے ہوئے ہی۔ اسلام کا جتنا بھی احترام ان کے دلوں میں بٹھا لیا جائے‘ حتیٰ کہ ’’تاریخِ اسلام‘‘ سے ان کی جتنی بھی وابستگی پیدا کرالی جائے کہ آخر ہیں تو مسلمانوں کی اولاد‘ حتیٰ کہ ان کو اچھے خاصے ’’دیندار‘‘ بنا لیا جائے‘ البتہ وہ سمجھیں گی یہی کہ اسلام کا دنیا میں جو کوئی کام تھا وہ صدیوں قبل ہو چکا۔ نماز روزہ‘ داڑھی اور حجاب‘ ہاں اپنی جگہ‘ آج کے دور میں دنیا کے اندر ’’اسلام‘‘ کا ویسے بھلا کیا کردار ہو سکتا ہے! بلکہ وہ یہ سمجھیں گی کہ اسلام کو ’’ضرورت سے زیادہ‘‘ وقت ملا رہا ہے! اور تعجب بھی کریں گی کہ اسلام بطور ایک عالمی واقعہ بہت دیر پہلے ہی کیونکر مٹ نہیں گیا! خدا کا شکر ہے یہ یورپی اقوام ذرا دیر پہلے نہیں آگئیں‘ ورنہ اسلام کو اتنا وقت بھی نہ ملتا!

’’اسلام‘‘ اور ’’اسلامی تاریخ‘‘ سے شدید ترین محبت رکھنے کے باوجود فکر کا یہ کھوکھلا پن بہرحال ان نسلوں کا مقدر ہوگا۔ اپنی ’’اسلامی تاریخ‘‘ کو عین اس نظر سے نہ دیکھنا ان نسلوں کے بس میں ہی نہ ہوگا‘ یعنی جو ہونا تھا سو ہو گیا! اسلام کو دنیا میں جو کچھ کرنا تھا سو وہ کر چکا——! البتہ ’’یورپ‘‘ کی جانب دیکھیں گی تو یوں گویا اصل ’’وحی‘‘ تو یورپ میں اتری ہے اور دنیا میں ’’روشنی‘‘ کا اصل منبع تو یورپ ہی رہا ہے! جس کسی قوم کو پسماندگی اور انحطاط سے جان چھڑانا ہے آج اس کو بہرحال یہی چاہیے کہ وہ ’’یورپ‘‘ کو دیکھے! بیمار قوموں کی شفا خاکِ یورپ میں ہے اور انہیں چاہیے کہ وہ اسی کو خوب خوب پھانکیں! آپ اپنی قوم کے دلدّر دور کر دینا چاہتے ہیں تو اس کا نسخہ مغرب سے ہی مل سکتا ہے۔ ’’ترقی‘‘ چاہیے تو مغربی اقوام کے قدموں کے نشان ڈھونڈنے کے سوا بھلا کیا چارہ ہے! اسلام کا کوئی کردار بقیہ زمانے کے لیے مانا جا سکتا ہے تو وہ یہ کہ یہ آپ کو روحانی ترقی کے زینے چڑھائے‘ یہ ’’روحانی ترقی‘‘ بھی اغلب طور پر وہ جو آپ کو ’’دنیا‘‘ سے نکال لاتی ہے! مقصد یہ کہ: نہ اسلام دنیا کے لیے اور نہ دنیا اسلام کے لیے!

(تشکّر: سہ ماہی ’’ایقاظ‘‘)

نالہ ہے بُلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی

مولانا وحیدالدین خان کے بعض افکار ونظریات کا علمی محاکمہ

صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی مرحوم

اسلامی تاریخ میں شروع دن سے دو طبقات برسرِ عمل رہے ہیں' ایک طبقہ وہ جو انفرادی اصلاح کے لیے خود کو اور اپنی صلاحیتوں کو وقف کیے رہا اور دوسرا طبقہ اجتماعی اصلاح کو ہدف بنا کر میدانِ عمل میں مجاہدانہ شان کے ساتھ جما رہا۔ حضرت حسین ؓ سے لے کر ساعتِ موجود تک بے شمار رجالِ دین کی تصویریں پردۂ ذہن پر ابھرتی اور خوشگوار منظر پیش کرتی ہیں۔

یہ دونوں گروہ سراپا خیر ہیں اور خدا کے اجر اور بندوں کی داد کے مستحق ہیں' جس کا ذوق اور میلان جس طرف ہوا پورے اخلاص اور جوش کے ساتھ اپنے کام میں لگ گیا۔ لیکن بدقسمتی سے کچھ نام ایسے بھی ہیں جنہیں زینتِ لب بناتے اور نوکِ قلم پر لاتے ہوئے اذیت ہوتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں انفرادی اصلاح کا کام ناقص نظر آتا ہے اور اجتماعی واحیائی تحریکات ناجائز دکھائی دیتی ہیں۔ ان کا مرغوب اور لذیذ ترین موضوع رجالِ اُمت کے کام کی تردید اور نوبہ نو شطحیات کی تخلیق ہے۔ ان میں ایک قابلِ ذکر نام محترم مولانا وحیدالدین خان کا ہے' جن کے افکار وخیالات اور ''مجتہدانہ تصورات ونکات'' سے پاکستان کا علمی حلقہ قریب قریب واقف اور شناسا ہے۔

مولانا کی ساری فکر سلبی بنیادوں پر اٹھی ہے اور کسی ردِّعمل کا شاخسانہ معلوم ہوتی ہے۔ انہیں قدرت نے بیدار دماغ عطا کیا ہے' محنتی طبیعت بخشی ہے' ذوقِ مطالعہ سے نوازا ہے' سحر طراز اسلوب ارزاں کیا ہے' شہد کی مکھی کی طرح ہر چمنِ خیال سے رس نچوڑنے کا سلیقہ دیا ہے اور حرف ولفظ برتنے کا ہنر ودیعت کیا ہے۔

''علمِ جدید کا چیلنج'' اور ''خاتونِ اسلام'' جیسی مثبت اور خیر افروز کتابوں کے مصنف کو معلوم نہیں کب سے اپنے اوپر یہ گمان گزرا اور الہام اترا کہ وہ ہر اسلامی موضوع پر لکھنے کے الٰہی

منصوبے کے پابند' نیا علم الکلام مرتب کرنے کے شرعی طور پر مسئول' اور مجتہدِ مطلق کے منصب پر فائز ہیں۔ مولانا موصوف کی جملہ تحریروں میں یہ بات جلی انداز میں نظر آتی ہے کہ لوگوں نے اپنے کام اور جدّوجُہد کے لیے غلط میدان منتخب کر رکھا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ غلطی خود مولانا سے بھی سرزد ہو گئی ہے۔ وہ ہمیشہ تلقین کرتے ہیں کہ جوشیلے مسلمان بغیر تیاری کیے اقدام کے میدان میں اُتر پڑے اور نتیجہ ناکامی کی صورت میں نکلا۔ محترم خان صاحب بھی تیاری کے بغیر ایک ایسے میدان میں کود پڑے جو اصلاً ان کا میدان ہے ہی نہیں۔

مولانا کی تمام تحریریں پڑھنے کے بعد ان کا نقطۂ نظر یہ معلوم ہوتا ہے۔

اوّلاً —— اقامتِ دین بذاتِ خود ایک غیر مطلوب عمل ہے۔

ثانیاً —— اس ضمن میں کی جانے والی تمام اگلی اور پچھلی کوششیں نہ صرف رائیگاں بلکہ قابلِ مذمت ہیں اور ان سے اسلام کو نقصان پہنچا۔

ثالثاً —— اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کسی متکلم' کسی مجدّد' کسی مجتہد' کسی مصنف اور کسی مؤرخ نے وہ کام سرے سے کیا ہی نہیں جو کرنے کا کام تھا۔

رابعاً —— اسلامی ریاست کا قیام' اسلامی قوانین کا نفاذ اور اسلامی سیاست کا غلبہ قطعی طور پر خدا اور رسول کا مطالبہ اور اسلام کا تقاضا نہیں۔

خامساً —— اسلام عزیمت کی جگہ رخصت' اقامت کی جگہ دعوت' مزاحمت کی جگہ مفاہمت' مجاہدانہ عمل کی جگہ ذہنی وفکری دنگل کو ترجیح دیتا ہے۔

سادساً —— گزشتہ دو صدیوں میں کام کے صرف دو آدمی نکلے ہیں۔ ایک سرسید احمد خان اور دوسرے مرزا غلام احمد قادیانی' کیونکہ انہوں نے resentment کی بجائے adjustment کا نعرہ لگایا۔

سابعاً —— کامیابی کا راز اس امر میں ہے کہ خصوصاً اہلِ یورپ اسلام کے جس ایڈیشن کے بارے میں مطمئن ہوں وہی ایڈیشن تیار کیا جائے' اس سے دعوت کے تمام راستے کھل جائیں گے اور ساری دنیا اسلام کی طرف لپک پڑے گی۔

ان کے علاوہ کچھ باتیں مزید ہوسکتی ہیں مگر خلاصہ بہرحال یہی بنتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ ساتوں نکات اسلام کے کسی ہمدرد اور خادم کا ایجنڈا ہوسکتا ہے یا اسلام مخالف قوتوں کا چارٹر؟

دین کا قیام اور غلبہ اگر غیر ضروری قرار پا جائے' چودہ سو سالہ تاریخ علمی وفکری طور پر

بانجھ دکھائی دے‘ واقعۂ کربلا سے لے کر معرکہ بالاکوٹ تک ہر کوشش نامحمود اور مردود ثابت کی جائے‘ اسلامی ریاست کے قیام کی تحریک امرِ فضول سمجھی جائے‘ عزیمت پر رخصت اور مقاومت پر ہر حال میں اور ہر شرط پر مصالحت کو اصل الاصول کا درجہ حاصل ہو جائے‘ خطۂ ہند کی دو سو سالہ تاریخ کے ماتھے کا جھومر سرسید اور مرزا قادیانی کو بنا دیا جائے اور کامیابی کا راز اہلِ یورپ کی ذہنی وتہذیبی غلامی اور ان کی سیاسی حکمت عملی سے موافقت کو بتایا جائے تو یہ ایجنڈا اسلام کے ایک مجدد‘ ایک مجتہد‘ ایک مبلّغ اور ایک داعی کا ہو‘ تو پھر ایک اسلام مخالف شخص کا ایجنڈا اس کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے؟

پند و نصائح کی کتابوں میں آتا ہے کہ جب نمرود نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دہکتے الاؤ میں پھینکنے کا فیصلہ کیا اور ایک ہجوم جمع کیا تو ایک ننھی سی چڑیا چونچ میں پانی کا قطرہ بھر کر لاتی اور بھڑکتے الاؤ پر گرا دیتی۔ بعض لوگوں نے اس سے کہا کیوں جان جلاتی ہو‘ بھلا تمہارے چونچ بھر پانی سے یہ جہنم زار بجھ جائے گا؟ چڑیا نے کہا تم سے زیادہ مجھے اپنی اوقات معلوم ہے‘ سارا دن بھی چونچ میں پانی بھر کر لاتی رہوں‘ ایک چلو کے برابر بھی نہیں بنے گا‘ میری اس حقیر کاوش کا ماحصل صرف یہ ہے کہ وقت اور مؤرخ یہ بات بہرحال نوٹ کرے گا کہ جب لوگ آگ دہکانے پر تلے ہوئے تھے تو چھٹانک بھر چڑیا آگ بھڑکانے والوں میں نہیں بلکہ بجھانے والوں میں شامل تھی۔

یہ بھی ایک مثبت رول ہوتا ہے اور ہر دور میں ادا ہوتا رہا ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر شخص قافلہ سخت جاں کا ہمراہی اور راہِ پُرخطر کا ساتھی ہو۔ اگر کسی سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ سختی کشانِ عشق کی راہ کی گرد بن سکے تو یہ کہاں ضروری ہے کہ راستے میں کانٹے بچھانے کا فریضہ اپنے ذمہ کر لے؟

مولانا کی ایک دل پسند اصطلاح ہے کہ ہر کام کرتے وقت یہ دیکھا جائے کہ وہ ''نتیجہ رخی'' (Result oriented) ہے کہ نہیں؟ یہی بات ان سے پوچھی جا سکتی ہے کہ آپ کی اس ساری کدوکاوش کا ثمر کس کی جھولی میں جا رہا ہے؟ اس تحریک سے فائدہ کن قوتوں کو پہنچ رہا ہے؟ اس اپروچ پر کون سا گروہ داد دے رہا ہے؟ یہ فکری و ذہنی بجلیاں کس کے خرمن پر گر رہی ہیں؟ یہ پائے استدلال کس طبقے کو سہارا فراہم کر رہا ہے؟ اور ان کی اپنی پوری تاریخ کی نفی کس کی تہذیب کو اثبات دے رہی ہے؟

قیامِ پاکستان کی تحریک کے حوالے سے مولانا مدنی مرحوم اور مولانا عثمانی مرحوم میں

اختلافِ فکر و نظر ایک معروف و مشہور بات ہے۔ ایک استفسار پر مولانا شبیر احمد عثمانی نے کہا تھا کہ فکری اختلاف اور اس کی صحت وعدمِ صحت اپنی جگہ لیکن میرے نزدیک اہم بات یہ ہے کہ قیامِ پاکستان کی مخالفت کا فائدہ کس گروہ کو پہنچ رہا ہے؟ اس پر انہوں نے اکبر الٰہ آبادی کا ایک شعر پڑھا‘ جو مولانا وحید الدین خان کی جاری تحریک کے لیے بھی موزوں اور حسبِ حال ہے۔

گو دعوائے تقویٰ نہیں درگاہِ خدا میں
بُت جس سے ہوں خوش ایسا بھی گنہگار نہیں ہوں

میں اللہ سے اس بات کی لاکھ بار پناہ مانگتا ہوں کہ مجھے یہ بدگمانی لاحق ہو کہ مولانا اپنے مشن میں غیر مخلص ہیں‘ انہیں شہرت کی طلب ہے‘ وہ دنیا کے خواستگار ہیں یا کسی کے اشارے پر وہ سارا کام کر رہے ہیں‘ لیکن ان کے بقول جو احیائی تحریکیں اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ اس طریقے سے اسلامی ریاستیں قائم کرنے میں کامیاب ہو جائیں گی اسی طرح مولانا بھی ٹھیک ویسی ہی خوش فہمی میں گرفتار ہیں کہ وہ اسلام کی چودہ صدیوں کی ہر کاوش کی نفی کر کے اکیسویں صدی میں ایک نئے اور دنیا کے لیے قابلِ قبول اسلام کو پیش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے‘ وہ مغرب سے کُلّی مفاہمت کے بعد اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھنے میں سرخرو ہوں گے‘ وہ اسلام مخالف قوتوں کی ہر شرط پر صلح کے بعد ان کے دل میں نرم گوشہ پیدا کر سکیں گے‘ اور ان کی فکر کو اگر قابلِ ذکر پذیرائی مل گئی اور اس فکر کا حامل ایک توانا گروہ تیار ہو گیا اور کسی بھی حکمران کے دل میں ان کے لیے وسوسہ پیدا ہو گیا تو وہ زندگی بھر تصادم سے گریز کی دعوت دینے کے باوجود عملی تصادم سے بچ سکیں گے۔ خوش فہمی اگر دوسروں کو لاحق ہے تو خود مولانا بھی خوش فہمی کے اڑن کھٹولے میں ہلکورے لے رہے ہیں۔

مولانا وحید الدین خان نے اپنی دینی فکر اس اصول پر مرتب کی ہے کہ اگر مختلف اقوام اور مسلمان حکمرانوں سے محاذ آرائی اور سیاسی جدال کے بجائے دعوت کے میدان کو منتخب کر لیا جاتا تو کب کا اسلام غالب ہو چکا ہوتا۔ آج بھی یہی طریقہ کار اختیار کر لیا جائے تو اسلامی غلبہ سامنے کی بات رہ جاتی ہے۔ اس کے لیے صلح حدیبیہ کو وہ اپنی فکر کا محور قرار دیتے ہیں اور ہر قفل کے لیے شاہ کلید (master key) صلح حدیبیہ کو قرار دیتے ہیں۔ ان کے اپنے الفاظ ہیں:

''اس معاہدے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی عمل (Islamic Activism) ایک

پُرامن عمل ہے‘ اسلامی عمل تشدد کی طاقت پر مبنی نہیں بلکہ عمل کی طاقت پر مبنی ہے۔ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان اگر جنگ اور ٹکراؤ کی حالت قائم ہو جائے تو اسلام کی طاقت امن کا ظہور رک جائے گا‘ اس لیے اہلِ ایمان کو ایسا کرنا چاہیے کہ جب دونوں فریقوں میں اس قسم کی صورت حال پیدا ہو جائے تو وہ فریق ثانی کی شرائط کو یکطرفہ طور پر مان کر اس سے صلح کر لیں۔‘‘ (فکر اسلامی‘ ص ۷۵)

ظاہر ہے یہ ایک طویل بحث ہے۔ تفصیلی اور تردیدی دلائل سے قطع نظر سوال یہ ہے کہ ۶ ہجری میں یہ صلح ہوئی اور ہر حال میں ہوئی اور مخالفین کی ہر شرط پر ہوئی تو پھر ٹھیک دو سال بعد ۸ ہجری میں فتح مکہ کس خوشی میں ہوئی؟ اس موقع پر حضورﷺ نے تصادم کے بجائے صلح کو ترجیح کیوں نہ دی؟ جبکہ فتح مکہ سے پہلے ابوسفیان اہل مکہ کے نمائندے کے طور پر صلح حدیبیہ کی تجدید کے لیے حاضر ہوئے‘ صحابہ کو سفارشی بنایا اور حدیبیہ کی شرطوں میں نرمی پر آمادگی دکھائی‘ اس کے باوجود حضورﷺ اس پیشکش کو قبول کرنا تو درکنار موضوعِ سخن بنانے پر بھی مائل نہ ہوئے۔ آخر اس کا کیا جواز اور جواب ہو سکتا ہے؟

یہی کہا جا سکتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اگر حالات موافق ہوں تو اقدام کیا جائے ورنہ نہیں۔ آخر وہ کون ایسا پاگل ہے جو خودکشی پر آمادہ ہوگا؟ کون سے اسلامی مفکر اور احیائی تحریک کے لیڈر نے کہا ہے کہ آ کا تو اور لے اڑو! یہ الگ بات ہے کہ کسی حکمران نے ’’خوئے بدرا بہانہ بسیار‘‘ کے مطابق خود ہی کسی اسلامی جماعت اور تحریک پر چڑھائی کر دی ہو اور کارکنوں کو زبردستی ایک ناخوشگوار صورتحال میں الجھا دیا گیا ہو۔ فرض کیا کسی لیڈر نے عجلت سے کام لیا ہو تو اس کی اس حکمتِ عملی پر تنقید کی جائے اور مخلص لوگ کرتے ہیں‘ لیکن اس کا یہ قطعاً مفہوم نہیں کہ احیائی عمل ہی کو ’’احمقانہ‘‘ اور اسلام اور مسلمانوں کے لیے ’’معاندانہ‘‘ قرار دے دیا جائے۔

مولانا یہ بھی کہتے ہیں کہ:

’’بنواُمیہ اور بنوعباس کے زمانہ میں حکومت میں بہت زیادہ بگاڑ آ گیا تھا۔ اس وقت لاکھوں کی تعداد میں علماء اور صلحاء معاشرہ میں موجود تھے مگر انہوں نے ان حکمرانوں کے خلاف بغاوت نہیں کی۔ ان کی یہ روش بے عملی نہیں تھی‘ یہ بے فائدہ عمل سے ہٹ کر باقاعدہ عمل کے میدان میں سرگرم ہونا تھا۔ چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ اس زمانے کے علماء اور اہلِ دین نے حکومت سے ٹکراؤ کو چھوڑ کر قرآن‘ حدیث‘ سیرت‘ تاریخ اور مختلف علوم وفنون میں

محنت شروع کر دی‘ وہ دعوت و اصلاح کے میدان میں سرگرم ہو گئے‘ انہوں نے نئی نسلوں کو تعلیم یافتہ بنانے کی جدّوجُہد میں اپنے آپ کو لگا دیا۔ یہی وہ کوششیں ہیں جو دورِ اوّل میں شاندار اسلامی تمدّن کی صورت میں ظاہر ہوئیں۔ اس کے برعکس اگر وہ حکمرانوں سے لڑ جاتے تو وہ صرف بربادی کی تاریخ بناتے نہ کہ تعمیر کی تاریخ۔‘‘ (فکرِ اسلامی‘ ص ۸۱)

یہ طرزِ استدلال مولانا کو بہت مرغوب ہے جس کا وہ جگہ جگہ مظاہرہ کرتے ہیں‘ لیکن یہ پورا استدلال خلافِ واقعہ اور تاریخی حقائق کے برعکس ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ بنواُمیّہ اور بنوعباس کے دور میں آبادی کتنی تھی؟ اور اس پر مستزاد یہ کہ لاکھوں کی تعداد میں علماء تھے؟؟

دوسرے یہ کہ اس دور کی تاریخ جن ناموں اور لوگوں سے معتبر اور نیک نام ہے اور جن کی خدمات کا ایک زمانہ معترف اور مداح ہے یہ تو بقول مولانا لڑنے والے اور حکمرانوں سے الجھنے والے تھے۔ جن ناموں کو تاریخ نے محفوظ تک نہیں رکھا ان کے بارے میں کیسے معلوم ہوا کہ انہوں نے نئی نسل کو تعلیم اور اصلاح یافتہ بنا دیا۔ جس نام کی سب سے زیادہ گونج ہے وہ امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ حکمرانوں سے لڑے۔ جن کی فقہی خدمات کا چاردانگِ عالم میں چرچا ہے اور جن کے علم سے آج تک کروڑوں لوگ مستفید ہوئے وہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ہیں‘ وہ بھی حکمرانوں سے لڑنے والے تھے‘ تبھی تو جنازہ جیل سے نکلا۔ ایک اور محدّث‘ مدرّسِ حرم اور صاحبِ موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی علمی خدمات سے کون ناواقف ہے؟ یہ بھی لڑنے والے تھے‘ خلیفہ جعفر سے ان کی نہ بن سکی‘ خلیفہ نے امامؒ کے کوڑے مار مار کر کندھے اتروا دیے مگر انہیں اپنے شیشے میں نہ اتار سکا۔ ایک بڑا نام امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو ایک مستقل دبستانِ فقہ کے بانی ہیں۔ یہ بھی اہل بیت کی سیاسی تحریک کے حامی رہے اور ان پر رفض کا فتویٰ چسپاں کیا گیا۔ ایک اور مجاہد اعظم امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ بھی کُنج خمولی میں بیٹھنے والے‘ صلح کا راگ الاپنے والے‘ ہر حال اور ہر شرط پر مفاہمت کرنے والے‘ حکمرانوں کو ریلیف دینے والے اور بے ہدف دعوت کا علم اٹھانے والے نہیں ہیں‘ بلکہ حکمرانوں کے منہ آنے والے‘ انہیں للکارنے والے اور حدیث‘ فقہ‘ تزکیہ اور دعوت کی مسند کو زینت بخشنے کے ساتھ ساتھ زندانوں کو رونق عطا کرنے والے تھے۔ دنیا نے انہیں مسندِ تدریس پر براجمان بھی دیکھا اور بھرے بازار میں پابجولاں بھی! انہوں نے علم کی لڑیاں بھی پروئیں اور ہتھکڑیاں بھی پہنیں۔ یہی حال امام بخاری‘ امام نسائی‘ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہم اور دوسرے لوگوں کا رہا ہے۔ یہ لوگ اگر فی الواقع مولانا وحیدالدین خان کی ترجیح کے مطابق اور ان کی ترغیب میں آ کر صرف شطحیات اور علمی نوادرات تک خود کو

محدود کر لیتے تو وہ نہ تاریخ کا حوالہ بنتے اور نہ تاریخ کبھی ان کا حوالہ دیتی۔

ہر دور میں کچھ لوگ ہوتے ہیں جو کام کرتے ہیں‘ ہر آدمی فرنٹ لائن کا آدمی نہیں ہوتا۔ لیکن ایسے لوگ پوری پوری جماعات‘ سوسائٹیوں‘ اکیڈمیوں اور علماء کی کھیپوں پر حاوی اور بھاری ہوتے ہیں۔ مجدد الف ثانیؒ کا تاریخی رول مکتوبات لکھنے سے متعین نہیں ہوا بلکہ اکبر و جہانگیر کے مقابلے میں استقامت دکھانے سے طے ہوا۔ سید احمد بریلویؒ اپنے ملفوظات اور شاہ اسماعیل دہلویؒ اپنی کتاب ’’عبقات‘‘ کے باعث زندہ نہیں بلکہ بالاکوٹ میں خون بہانے کے سبب ان کی شخصیت افسانے کے درجے پر پہنچی ہے۔ اگر یہ سب کچھ عبث ہے تو ان کے کارناموں میں کس چیز کو رکھا جائے؟ اس دور میں مدرس بھی تھے‘ مفتی بھی تھے‘ مصنف بھی تھے‘ مبلّغ بھی تھے اور خود مولانا سے بڑھ کر متکلّم بھی تھے‘ تاریخ نے آخر چند لوگوں کو آج تک سینے سے کیوں لگا رکھا ہے؟ حالانکہ وقت بڑا بے رحم اور تاریخ بڑی بے لاگ ہوتی ہے۔ وقت جو شاہی خانوادوں کو روند کر آگے بڑھ جاتا ہے اور تاریخ جو گرانڈیل تہذیبوں کو نگلنے کا خوفناک تجربہ رکھتی ہے وہی وقت ان شخصیات پر آ کر رک کیوں جاتا ہے؟ اور تاریخ انہیں نگلنے کے بجائے ان کی عظمت کے سارے راز اگلنے پر کیوں آمادہ ہو جاتی ہے؟ جو بات مولانا کو سب سے زیادہ ناگوار گزرتی ہے وقت اور تاریخ دونوں اسی جدّوجہد کو اپنا اعتبار قرار دیتے ہیں۔

وحید الدین خان صاحب اپنے لٹریچر میں ایک سے زائد بار اپنے اس احساس اور تاسف کا اظہار کرتے ہیں کہ:

> ’’انڈونیشیا کے عبدالقہار مذکر کو صدر سوئیکارنو ہر قسم کے اصلاحی کام کے مواقع دے رہے تھے مگر وہ دستورِ اسلامی کے نفاذ کے نام پر لڑ لڑ کر ختم ہو گئے۔ مصر کے سید قطب کو جمال عبدالناصر نے اسلامی تعلیم و ترقی کے کاموں کے لیے حکومتی تعاون کی پیشکش کی مگر وہ اور ان کی پوری جماعت صدر ناصر کی معزولی سے کم کسی چیز پر راضی نہ تھی۔ پاکستان کے سید ابوالاعلیٰ مودودی کو ایوب خان نے دعوتی اور تعمیری کاموں کے لیے ہر قسم کا تعاون دینا چاہا مگر ان کے نزدیک سب سے بڑا کام بے دین حکمرانوں کو اقتدار سے بے دخل کرنا تھا۔‘‘

یہ باتیں انتہائی سادگی پر محمول کی جا سکتی ہیں۔ گویا ان شخصیات کو بڑے کھلے دل‘ بڑے اخلاص اور پوری آزادی سے کام کی اجازت مل رہی تھی اور وہ اندر ہی اندر چند سالوں میں پورے ملک کا کنٹرول سنبھال سکتے تھے‘ مگر انہوں نے مواقع ضائع کر دیے۔ ہمارے خیال

میں ہم اور مولانا وحید الدین خان اتنے سادہ لوح ہو سکتے ہیں‘ حکمران کبھی اتنے سادہ لوح نہیں ہوتے کہ وہ اپنی جڑ کاٹنے کے لیے کلہاڑا کسی کے ہاتھ میں تھما دیں۔ یہ ریشم کے ڈورے امام اعظمؒ پر بھی ڈالے گئے۔ وہ چیف جسٹس بننا تو کجا بغداد کی جامع مسجد کے ستون گننے پر بھی آمادہ نہ ہوئے۔ ایسی پیشکش تو حضور ﷺ کے لیے مکہ میں ابوجہل اور ابولہب کی طرف سے چوبیس گھنٹے موجود تھی کہ آپ ہمارے کام میں کیڑے نہ نکالیں‘ نماز و طواف پر ہمیں بھی اعتراض نہیں۔ اور پھر جس صبر و اعراض کو مولانا ہر مسئلے کا حل بتاتے ہیں اور دعوت کو ہر حملے سے بچاؤ کی ڈھال قرار دیتے ہیں‘ عہد مکی میں حضور ﷺ نے جس صبر و اعراض کی مثال قائم فرمائی اب کوئی کیا ویسی مثال پیش کر پائے گا؟ مولانا کی تشریح کے مطابق تو حضور ﷺ کے لیے مکہ میں امکانات کی ایک وسیع دنیا منتظر ہونی چاہیے تھی اور چند ہی برس میں مکّہ اور جوارِ مکّہ کو پکے ہوئے پھل کی طرح اسلام کی جھولی میں آ گرنا تھا‘ لیکن جوں جوں دن گزرے پیغمبر ﷺ اور اصحابِ پیغمبر رضی اللہ عنہم کے لیے سانس لینا دشوار ہو گیا۔ کبھی پتھروں سے پالا پڑا‘ کبھی اوجھ سے سابقہ پیش آیا‘ کبھی کانٹوں نے استقبال کیا‘ کبھی سوقیانہ فقروں نے سماعت کو مجروح کیا‘ کبھی گھٹیا الزاموں نے دل مکدر کیا‘ حتیٰ کہ ساڑھے تین سال ایک ایسی گھاٹی میں گزارنے پڑے کہ اس کا تصور روح کو لرزا دیتا ہے۔ مکہ میں حضور ﷺ نے کوئی ایسی تقریر نہیں کی تھی جو مولانا کے خیال کے مطابق اشتعال انگیز ہو‘ کوئی جہادی تحریک بھی نہیں اٹھائی تھی‘ کوئی سیاسی چیلنج بھی نہیں دیا تھا اور مکہ کے حکمرانوں سے نزاع شروع نہیں کی‘ پھر مولانا کے فلسفے کے برعکس وہ کچھ کیوں پیش آیا جو نہیں آنا چاہیے تھا‘ حتیٰ کہ حکمِ ہجرت ہوا اور دکھ کی گھڑیاں سمٹیں اور کرب کے سائے ڈھلے۔

مقتدر طبقات کا مسئلہ اتنا سادہ نہیں ہوتا جتنا کہ سمجھا جاتا ہے۔ اربابِ اقتدار اپنی کرسی کے لیے باپ کو قلعے میں نظر بند کرنے سے نہیں چوکتے‘ بھائی کو قتل کرانے سے دریغ نہیں کرتے‘ قریب ترین دوستوں کی آنکھوں میں لوہے کی گرم سلائیاں پھیرنے سے نہیں ہچکچاتے‘ آخر وہ کیسے اپنے اقتدار کی قیمت پر کسی سید قطبؒ‘ کسی مودودیؒ اور کسی افغانیؒ کو پوری آزادی کے ساتھ کام کی اجازت دے سکتے ہیں؟ ان کے نزدیک ایسے لوگوں کی خدمات مستعار لینے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انہیں سندِ جواز ملے‘ لوگوں کی واہ واہ ملے اور راستے کا روڑا ہٹے۔ مرحوم ضیاء الحق نے فیڈرل شریعت کورٹ بنائی اور ساتھ ہی آئین‘ مالیاتی امور اور عائلی قوانین کو اس کے دائرہ اختیار سے باہر نکال دیا۔ باقی شریعت آخر جنرل صاحب کا کیا بگاڑ سکتی تھی‘ اس کے

نفاذ کی انہوں نے اجازت دے دی‘ پھر اس کا ثمر سب نے چکھ لیا۔ کچھ ایسی ہی نیت اور ایسے ہی خلوص کے ساتھ سوئیکارنو اور ناصر پیشکش کرتے ہوں گے۔ اگر دعوتِ دین اور تعلیماتِ اسلام کے فروغ کی نوعیت کچھ ایسی ہو کہ نہ مقتدر طبقات پر کوئی حرف آئے‘ نہ متکبرین کو خطرہ لاحق ہو‘ نہ مترفین کے عیش میں کھنڈت پڑے‘ نہ حکومتی مشینری پر قدغن لگے‘ نہ رائج الوقت قوانین کی جبینِ نازک پر شکن ابھرے اور نہ کسی ظالم کی نکسیر پھوٹے تو‘ تکلّف برطرف‘ یہ سندھی بریانی اور دہلوی نہاری کی دعوت تو ہو سکتی ہے دعوتِ دین قطعاً نہیں۔

مولانا اپنے استدلال کے بہاؤ میں اکثر یہ بھی فرما جاتے ہیں کہ:

”جاپان کے لیڈر ہیرو ہیٹو نے ۱۹۴۵ء میں امریکہ کے مقابلہ میں شکست کے بعد تشدد کا طریقہ مکمل طور پر چھوڑ دیا —— مہاتما گاندھی نے ۱۹۱۹ء میں ہندوستان کی آزادی کی تحریک کو عدمِ تشدد کی بنیاد پر چلانا شروع کیا‘ یہاں تک کہ ۱۹۴۷ء میں ہندوستان آزاد ہو گیا۔ ساؤتھ افریقہ کے بلیک لیڈر نیلسن منڈیلا نے گاندھیائی طریقہ کو اپناتے ہوئے اپنے ملک کو سفید فام اقلیت کے غلبے سے رہائی دلانے کی کوشش کی‘ ان کی کوشش بھی پُرامن دائرے میں چلتی ہوئی ۱۹۹۳ء میں سیاہ فام اکثریت کی آزادی تک پہنچ گئی۔“ (فکر اسلامی‘ ص ۹۱)

مقطع میں پھر سخن گسترانہ بات آ گئی۔ یہ ملک تو عدم تشدد کی تحریک کے نتیجے میں آزاد ہوئے اور عدم تشدد کا یہ بہت بڑا نتیجہ اور ثمر ہے مگر ان تحریکوں کی کامیابی کو کیا نام دیا جائے جو بہت بڑے تصادم کے ساتھ برپا ہوئیں اور بامراد ٹھہریں۔ سوڈان نے لڑ کر آزادی حاصل کی‘ الجزائر نے دنیا کا سب سے بڑا قبرستان بسا کر فرانس سے چھٹکارا پایا‘ لیبیا کے صحرا خون سے لالہ زار ہو گئے اور وہ بھی آزاد ہو گیا‘ انڈونیشیا کی تحریکِ آزادی کا فیصلہ میز پر نہیں میدان میں ہوا‘ وغیرہ۔ اگر عدمِ تشدد کامیابی کی واحد کلید اور آزادی کی حتمی ضمانت ہے تو پھر یہ ممالک کیسے آزاد ہو گئے؟

اور پھر اس کا کوئی بھی واقعاتی ثبوت سامنے نہیں آتا کہ ہندوستان اور جنوبی افریقہ عدمِ تشدد کی تحریک کے باعث آزاد ہوئے یا مولانا کی انتہائی ناپسندیدہ انقلابی سرگرمیوں کے سبب ان ملکوں کو آزادی ملی۔ کیا ہندوستان کی آزادی کا واحد عامل گاندھی کا عدمِ تشدد تھا یا ۱۸۵۷ء سے شروع کی گئی تحریک آزادی کا تسلسل؟ کیا دوسری جنگ عظیم میں برطانیہ کی اقتصادی تباہی

نے تو آزادیٔ ہند کی راہ ہموار نہیں کی؟

مولانا آزادی کے اس واقعے سے ایک طرح کا استنباط کرتے ہیں اور دوسرے لوگ دوسری طرح کا استنباط۔ آخر مولانا کا نقطہ نظر واقعات کی کس میزان میں صحیح بیٹھتا ہے؟

ہمارے نزدیک ہندوستان کی آزادی میں جزائر انڈیمان میں دم توڑنے والے علماء کا نفس گرم‘ احمد اللہ شاہ مدراسیؒ کی مظلومانہ موت‘ کفایت اللہ کافیؒ کے جسم پر گرم استری کے چھالے‘ شیخ الہندؒ کی اسارتِ مالٹا‘ محمد علی جوہرؒ کی مضطرب شخصیت‘ مولانا حسرت موہانیؒ کی چکّی کی مشقت‘ مولانا سندھیؒ کی دربدری اور خاک بسری اور دوسرے ہندو اور مسلم زعماء کی فداکارانہ مساعی کا دخل ہے۔ گاندھی کے عدمِ تشدد کی رائی کو پَربَت بنا دینا‘ یہ بذاتِ خود غیر عقلی اور غیر واقعاتی استدلال ہے‘ جبکہ مولانا سب سے زیادہ زور عقلی استدلال اور واقعاتی شہادتوں پر دیتے ہیں۔ اسی طرح جنوبی افریقہ ۱۹۹۱ء سے ۱۹۹۳ء کی دو سالہ منڈیلا کی صلح جویانہ پالیسی کے باعث آزاد نہیں ہوا بلکہ اس کی ستائیس سالہ قید اور سلاخوں کے پیچھے پوری جوانی کھپا دینے کے عمل نے تحریک آزادی کو اس موڑ پر پہنچا دیا کہ سفید فام حکومت ناک رگڑنے اور گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوئی اور نیلسن کے رہا ہوتے ہی دو سال کی معمولی جست میں افریقہ آزاد ہو گیا۔

بالفرض مولانا کے طرزِ استدلال اور اخذِ نتائج سے اتفاق کر بھی لیا جائے تو بھی وہ تصویر نہیں بنتی جو مولانا پینٹ کرنا چاہتے ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ گاندھی کی تحریک‘ عدمِ تشدد کی تحریک تھی کہاں؟ صرف عنوان ہی عدم تشدد ہے ورنہ خود گاندھی جیلوں میں رہے‘ ہندو فائٹرز نے انگریزی حکومت کو مسلسل ٹف ٹائم دیے رکھا‘ بم بلاسٹ ہوئے‘ مظاہرے ہوئے۔ یہ ایک بھرپور مزاحمتی تحریک تھی۔ بدیشی مال کا بائیکاٹ‘ حکومتی مشینری کو مفلوج کرنے کا لائحہ عمل اور ترکِ موالات کی تحریک‘ یہ سب مزاحمتی رویہ تھا۔

دوسرے یہ کہ اس باب میں قائداعظم اور مسلم لیگ کی تحریک صحیح معنوں میں عدم تشدد پر مبنی تھی۔ ٹھیٹھ جمہوری اصولوں پر مسلم تشخص اور آزاد ریاست کا مطالبہ‘ انتخابات پر اصرار‘ مذاکرات کا بار بار انعقاد‘ فائل ورک اور دو قومی نظریہ تسلیم کرنے کے لیے منطقی اور علمی اسلوب‘ یہ سب کچھ تو قائداعظم کے حصے میں جاتا ہے اور پھر قائداعظم سمیت مسلم لیگ کا کوئی چوٹی کا لیڈر کسی مقدمے میں مطلوب نہ ہوا‘ جیل یاترا نہیں کی‘ کسی مظاہرے پر گرفتاری عمل میں نہیں آئی اور ۱۹۴۶ء میں ووٹنگ یعنی لفظی و معنوی جمہوری عمل کے ذریعے پاکستان وجود میں آیا اور بھارت آزاد ہوا۔ لیکن مولانا کی فہرست میں کہیں قائداعظم اور مسلم لیگ کا نام لکھا ہوا نہیں

ملتا۔ ان کے پورے لٹریچر میں گاندھی اور اس کا عدم تشدد کا فلسفہ تو جلی عنوان کے طور پر موجود ہے مگر قائداعظم اور مسلم لیگ دونوں مولانا کے مقالے کے کسی ذیلی حاشیے (foot note) میں درج ہونے کے لائق بھی نظر نہیں آتے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ قائداعظم مولانا موصوف کے مزعومہ فلسفہ عدم تشدد کے حامی یا علمبردار تھے بلکہ مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ مولانا کے قائم کردہ معیار کے مطابق گاندھی کی نہیں بلکہ قائداعظم کی شخصیت سامنے آتی ہے' لیکن مولانا کہیں بھی تحریک قیامِ پاکستان کو التفات کی نظر سے نہیں نوازتے اور نہ مسلم لیگ اور اس کے قائد کو معمولی سا کریڈٹ دینے پر آمادہ ہوتے ہیں۔

مولانا اپنے مقدمے کی وکالت میں بعض اوقات واقعات کو بھی بطور دلیل لے آتے ہیں جس سے نفس مقدمہ تو مشکوک ہوتا ہی ہے خود مولانا کا علمی مرتبہ اور تحقیقی پایہ بھی مجروح ہو جاتا ہے۔ مولانا کے ہاں چونکہ اسلام میں قیام حکومت نہ صرف مطلوب امر نہیں بلکہ انتہائی معیوب حرکت اور معتوب فکر ہے' چنانچہ کوئی کمزور اور انتہائی بودی مثال کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے' جس طرح ڈوبتا شخص تنکے کو بھی سب سے بڑا سہارا سمجھ لیتا ہے۔ مولانا اپنی مشہور کتاب ''فکر اسلامی'' کے صفحہ ۱۸۷ پر رقم طراز ہیں:

> ''عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ مکی دور کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز قریش مکہ کے اکابر کعبہ کے پاس جمع ہوئے' انہوں نے باہم مشورہ کر کے طے کیا کہ اپنا ایک شخص بھیج کر محمد (ﷺ) کو بلاؤ تاکہ ان سے بات کر کے معاملات طے کیے جاسکیں۔ پیغام پا کر رسول اللہ ﷺ وہاں آئے۔ گفتگو شروع ہوئی تو قریش کے نمائندہ نے کہا: آپ ہماری قوم کے لیے مصیبت بن گئے ہیں' آپ نے ہمارے آباء واجداد کو گالی دی' ہمارے دین پر عیب لگایا' ہماری عقلوں کو بیوقوف بنایا اور ہمارے اصنام کو گالیاں دیں۔ آپ شتم' تسبیب اور تسفیہ کا یہ کام چھوڑ دیں' اس کے عوض آپ جو کچھ چاہیں وہ سب ہم آپ کو دینے کے لیے تیار ہیں' حتیٰ کہ اگر آپ بادشاہت چاہتے ہوں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنانے کے لیے تیار ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے قریشِ مکہ کی اس پیشکش کو قبول نہیں فرمایا اور بدستور اپنے تبلیغی کام میں لگے رہے' جبکہ معلوم ہے کہ بعد کو مدینہ میں جا کر آپ نے وہاں اسلام کی حکومت قائم کی...... اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت اس طرح قائم نہیں ہوتی کہ ایک اسلامی شخصیت کسی نہ کسی طرح حکومت کی کرسی پر بیٹھ جائے۔ حکومت کے قیام کا نہایت گہرا تعلق خارجی حالات سے ہے۔

> اسلامی حکومت کے قیام کے لیے وہ معاشرہ درکار ہے جہاں لوگوں کے اندر اسلام کے حق میں آمادگی پیدا ہو چکی ہو۔''

مولانا نے اس واقعے سے جو استدلال قائم کیا اور نتیجے کا استنباط کیا ہے اسے ہماری طفلگی کہہ لیجیے' کم عقلی سمجھ لیجیے' ہمارے دماغ کی جھلی موٹی قرار دے لیجیے' کچھ بھی کہنے کو ہماری طرف سے اجازت ہے' یہ استدلال انتہائی غلط اور کمزور ہے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ قریشِ مکّہ آپ کو ذاتی طور پر اپنا سردار بنانے کی پیشکش کر رہے تھے یا اسلامی حکومت کا سربراہ بنانے کی؟ اگر تو یہ ذاتی نوعیت کے اقتدار کی بات ہے تو رسولِ خدا ﷺ تو کجا ایسی حکومت سنبھالنے کے لیے نہ تو امام اعظمؒ آمادہ ہوئے' نہ سید قطبؒ اور نہ مولانا مودودیؒ' حکومت سنبھالنا تو کجا وزارت ومشاورت پر کبھی تیار نہیں ہوئے اور مولانا موصوف ان لوگوں کے اس طرزِ عمل پر ایک سے زائد بار تعریض اور نکیر کر چکے ہیں۔ یہی تو ٹیسٹ ہے کہ ایک شخص اسلامی ریاست کے قیام کی جدّوجہد کر رہا ہے' اسے اقتدار کی پیشکش ہوتی ہے' اگر تو وہ ذاتی اقتدار کا طالب ہے تو فوراً حکومت کا حصہ بن جائے گا ورنہ اس آفر کو بلاتوقف ٹھکرا دے گا' اور یہی کچھ رسول اکرم ﷺ نے کیا' اور آپؐ کا یہ طرزِ عمل کفار کے ان تمام الزامات کا واضح اور دوٹوک جواب تھا کہ کفار دنیا بھر کو یہی باور کرانے میں لگے ہوئے تھے کہ محمد (ﷺ) دراصل جاہ واقتدار کا طالب ہے' نبوت ورسالت سے محض چلمن کا کام لے رہا ہے۔ (معاذ اللہ!)

حضور ﷺ نے اس پیشکش کو ٹھکرا کر واضح فرمایا کہ اسلامی تحریک شخصی اقتدار کی خواہاں نہیں بلکہ ایک مشن کی تکمیل چاہتی ہے خواہ اس کے لیے عمر بھر جاں گسل جدوجہد کرنی پڑے۔ آخری ہدف (ultimate goal) ریاست کا قیام ہے' لیکن اسلامی دستور' احکام الٰہی اور شریعت کی بالادستی یقینی بنائے بغیر اقتدار مل رہا ہو تو اسے خاطر میں نہیں لانا چاہیے۔

مولانا ایک طرف ان لوگوں کو ''احمق'' قرار دیتے ہیں جنہیں صدر ناصر' صدر سوئیکارنو اور صدر ایوب نے حکومتی منصب دینے کی پیشکش کی اور انہوں نے جوشِ جہاد میں ٹھکرا دی اور دوسری طرف وہ حضور ﷺ کے اقتدار کے ٹھکرانے کے عمل کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں' حالانکہ حکومتی پیشکشوں کو ٹھکرانے والوں نے تو سنت نبویؐ کی پیروی کی' کہ مکمل اقتدار کی جگہ مشروط اور زیردست سیاسی وحکومتی منصب ذاتی اقتدار تو کہلا سکتا ہے الٰہی مشن کی تکمیل کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ تیاری اور ماحول کی سازگاری کے بغیر کون سا اسلامی مفکّر ہے جس

نے اقتدار سنبھالنے کی بات کی ہو؟ یہ تو عقل عام کی بات ہے اور اس سے کسی کو اختلاف نہیں۔ البتہ تیاری اور ماحول کی سازگاری کا مفہوم ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتا ہے اور اس کے تعین میں اجتہادی خطا ہو سکتی ہے' لیکن اصولی طور پر یہ بات بہر حال سو فیصد درست ہے۔ ممکن ہے احیائی تحریکوں کے رہنما اپنی بصیرت کے مطابق سیاسی جدوجہد اور معروف سیاسی مہم کو بھی تیاری اور ماحول کی سازگاری کا ایک ذریعہ سمجھتے ہوں۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ حضورﷺ نے بعد میں مدینہ جا کر ریاست تشکیل دی' اس لیے کہ مدینہ میں اہلِ ایمان کی اکثریت تھی' جبکہ مکہ اُس وقت ''شہرِ کفر'' تھا۔ آج کون سی اسلامی تحریک اور احیائی قیادت یہ دعویٰ کر رہی ہے کہ اس نے امریکہ کو ہر صورت اسلامی ریاست بنانا ہے' برطانیہ میں اسلامی شریعت کو نافذ کرنا ہے یا فرانس میں دستورِ اسلامی کی جدوجہد برپا کرنی ہے! یہ ساری جدّوجہد اسلامی ممالک میں ہو رہی ہے' مصر ہو' سوڈان ہو' الجزائر ہو' ترکی ہو یا پاکستان! جہاں عظیم اکثریت اہلِ اسلام کی ہے۔ اگر مسلم ممالک بھی اسلامی نظام کے لیے سازگار پلیٹ فارم نہیں' تو کیا اسلامی ریاست کے قیام کی مساعی صحراؤں' پہاڑوں اور سمندروں میں ہونی چاہیے؟ چونکہ مسلم حکمران' مراعات یافتہ طبقہ' عالمی طاقتوں سے تحفّظ کی ضمانت حاصل کرنے والا گروہ نہیں چاہتا کہ ان کا ملک ایک ایسے دستور اور نظام کے تابع آ جائے جہاں قانون ہر ایک کے لیے برابر سمجھا جائے' وسائل رزق ہر ایک کے لیے کھلے ہوں' حکومت کسی کی ذاتی وجاہت کے اظہار کے بجائے خدائی امانت قرار پائے' اس لیے یہ طبقات پورے ماحول کو اپنے مالیاتی' نشریاتی اور ریاستی ذرائع کے بل پر ناسازگار بنائے ہوئے ہیں۔ اس لیے سطح پر وہ ابھار' وہ جوش' وہ امنگ اور وہ ولولہ نظر نہیں آتا جو اسلامی نظام کے قیام کے لیے ہونا چاہیے۔ یہ احیائی تحریکیں درحقیقت اس رکاوٹ اور دباؤ کو ہٹانے کی ایک حکمت عملی ہیں۔ مولانا اس طرزِ عمل سے اختلاف کریں' اس پر کبیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں' لیکن اسلامی ایجنڈے میں سے اسلامی ریاست کے قیام کو خارج کرنا یا اس کی جدوجہد کو امرِ فضول اور سعی لاحاصل قرار دینا ایک ایسی لغزش ہے جس سے ایک فرد ہی نہیں پھسلتا بلکہ پوری قوم کا زاویہ فکر ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔

مولانا کے آئینہ خانۂ علم وتحقیق میں سب سے خوبصورت عکس سرسید احمد خان کا آویزاں

ہے اور وہ انہیں مسلمانوں کا بہت بڑا محسن' کامیاب رہنما' دور اندیش مفکّر اور عملیت پسند انسان قرار دیتے ہیں' اور مولانا اپنے ممدوح کی طرح خود بھی ہر حال میں اور فریق مخالف کی ہر شرط پر مفاہمت کے قائل ہی نہیں علمبردار ہیں' تو سوچنے والی بات یہ ہے کہ اگر آپ فریق مخالف کا ہر ٹائٹل ماتھے پر سجا لیں' ہر نقش دل ودماغ پر ثبت کر لیں' ہر تمغہ سینے پر آویزاں کر لیں اور ہر غازہ چہرے پر مل لیں اور پھر کہیں کہ اب ہم کامیاب وکامران اور سرخرو ہیں تو یہ کامیابی اور سرخروئی آپ کی کیسے ہو گئی؟ یہ کامرانی تو آپ کے فریق مخالف کی ہوئی کہ رات آپ کی ہوئی اور بات اس کی چلی' دماغ آپ کا ہوا سوچ اس کی فروغ پذیر ہوئی' نوک زبان آپ کی ہوئی عنوانِ سخن اس کا مقبول ہوا' خم آپ کا ہوا مے اس کی ہوئی اور نغمہ آپ کا ہوا لے اس کی ابھری۔ یہ آخر کامیابی کی کون سی قسم ہے؟ یہ تو ویسی بات ہے کہ مرغ بادنما یہ کہے کہ میرا موڈ دیکھ کر ہوا اپنا رخ بناتی ہے۔ سرسید مرحوم اپنے سفرنامے ''مسافران لندن'' میں فرماتے ہیں:

> ''میں بلا مبالغہ سچے دل سے کہتا ہوں کہ تمام ہندوستانیوں کو اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک' امیر سے لے کر غریب تک' سوداگر سے لے کر اہل حرفہ تک' عالم فاضل سے لے کر جاہل تک' انگریزوں کے تعلیم وتربیت اور شائستگی کے مقابلے میں درحقیقت ایسی ہی نسبت ہے جیسے نہایت لائق اور خوبصورت آدمی کے مقابلے میں نہایت میلے کچیلے وحشی جانور کو' پس تم کسی جانور کو لائق تعظیم یا قابل ادب سمجھتے ہو؟''

مذکورہ اقتباس اگر سید صاحب کی دانائی واضح کر رہا ہے تو ذہنی غلامی کے لیے کیا اقتباس ڈھونڈنا چاہیے؟ اگر یہ حکمت ہے تو اپنی ذات سے انتہائی نفرت کیا ہو سکتی ہے؟

سرسید کو لندن جانے کا موقع ملا تو ان کے حواس جواب دے گئے کہ یہ گورا رنگ؟ اللہ اکبر! یہ ننگی پنڈلیاں' کیا کہنے؟ یہ کُتّوں کو بچّوں کی طرح سینے سے چمٹائے رکھنا' کیا خوب فیشن ہے!

علامہ اقبال بھی تو لندن گئے ہی نہیں وہاں رہے ہیں۔ جرمنی میں ایک مدت استفادۂ علم کیا ہے۔ انہوں نے یورپ کو' اس کی تہذیب کو' اس کے مزاج کو دیکھا' بھالا' پرکھا' جانچا' کھنگالا' مگر اس کے باوجود اپنے حواس قابو میں رکھے اور تحدّی کے انداز میں گویا ہوئے ؎

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ ونجف!

سرسید ہوں یا مولانا وحید الدین خان دونوں فرنگ کے شیشہ گروں کو دیکھ کر مبہوت

ہو جاتے ہیں اور فرنگیوں کا احسان اٹھانے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ سفالِ ہند سے کبھی مینا و جام پیدا کرنے کی اُمنگ ان کے دل میں انگڑائی نہیں لیتی۔ فرنگیوں کا فسوں ایک حقیقت سہی مگر خود کو اس قدر زار و زبوں بنا لینا کہ چنگا بھلا آدمی موم کی گڑیا بن جائے یہ کہاں کی دانشمندانہ حکمت عملی ہے؟ مولانا یورپ سے مفاہمت کے بے پناہ اچھلتے ہوئے جذبے سے اس قدر مغلوب ہو جاتے ہیں کہ وہ کمرشل انٹرسٹ کو سود سمجھنے سے انکار کر دیتے ہیں‘ سلمان رشدی کی ہفوات کو آزادئ فکر کا عنوان دے دیتے ہیں اور مغرب کے ذہنی پیمانوں کو حق و باطل کی میزان قرار دینے پر آ جاتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کے بعد اگر کوئی خوشحالی آتی ہے تو اس مانگی ہوئی جنت سے ہمیں دوزخ کا عذاب گوارا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ قومی ترقی ہو گی۔ اسلامی اصول و عقائد کی تنزلی کی قیمت پر قومی ترقی ایک سیکولر اندازِ فکر تو ہو سکتا ہے اسے اسلامی دعوت اور اس کے فروغ کا نام دینا بہت بڑی جسارت ہے۔

ہمارے ناقص خیال میں مولانا وحید الدین خان یک طرفہ سوچتے اور یک رُخا لکھتے ہیں۔ مولانا کے لیے کرنے کا کام یہ تھا کہ وہ اپنی بے پناہ محنت‘ ذوقِ تجسس‘ کثرتِ مطالعہ‘ دل سوزی و دردمندی اور عالمِ اسلام میں جاری احیائی تحریکوں کے بعض ناقص پہلوؤں اور عاجلانہ حکمتِ عملیوں پر مثبت تنقید کی اپنی صلاحیت کو بروئے کار لا کر انفرادی تزکیہ اور اجتماعی اصلاح کے کاموں میں امتزاج‘ ہم آہنگی اور توافق پیدا کرنے کی سعی کرتے۔ جو عیب انہیں دوسروں میں نظر آتا ہے کہ انفرادی تزکیے والے داخلی تجربوں میں گم ہو گئے اور اجتماعی اصلاح والے سیاسی ہنگاموں میں کھب گئے وہی یک رُخے پن کا عیب مولانا کی فکر میں پیدا ہو گیا اور ایک تیسرا انتہائی زاویہ سامنے آ گیا‘ حالانکہ بات صرف اتنی ہے کہ دعوت کی دین میں بہت بڑی اہمیت ہے اور کوئی اس کا منکر نہیں‘ تیاری کا ہر کوئی قائل ہے‘ صلح کسی کو بُری نہیں لگتی‘ صبر و اعراض کوئی معمولی وصف نہیں پیغمبرانہ وصف ہے۔ اسی طرح خیر اگر فرد کے لیے باعثِ برکت ہے تو یقیناً معاشرے کے لیے اس خیر کے اثرات کئی گنا زیادہ موجبِ برکت ثابت ہوتے ہیں۔ اس خیر کے غلبے کے لیے اجتماعی جدوجہد اسلامی فریضہ اور ناگزیر تقاضا ہے‘ اس فریضے کی ادائیگی کے لیے مزاحمت ایک لازمی امر ہے‘ اور اس مزاحمت کا ایک اہم فریق بہرحال حکمران ٹولہ ہے۔ جس طرح حکمرانوں نے شر کے فروغ کے لیے معاشرے کی ذہنی‘ ثقافتی اور اخلاقی توڑ پھوڑ کی تب شر کو غالب کرنے میں کامیاب ہوئے‘ اسی طرح خیر کے غلبے کے لیے بھی شکست و ریخت کا عمل

لازمی ہے‘ تب خیر غالب آئے گی۔ دارِ ارقم سے لے کر شعبِ ابی طالب‘ غارِ ثور سے لے کر مدینے کی طرف ہجرت‘ بدر کے میدان سے لے کر اُحد کے پہاڑ‘ حدیبیہ کے صلح نامہ سے لے کر خندق کی کھدائی اور پھر فتح مکہ کے تاریخ ساز واقعہ تک یہ سارے مرحلے غلبہ خیر کی جدوجہد کے سنگ ہائے میل ہیں۔ انہیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ قافلہ سخت جاں کس کس وادئ بلاخیز میں اُترا اور بالآخر نبی اکرم ﷺ سمیت پانچ افراد (حضرت ابوبکر‘ سیدہ خدیجہ الکبریٰ‘ حضرت علی اور حضرت زید رضی اللہ عنہم) سے شروع ہونے والا اسلام کا دعوتی و انقلابی کام آج اس منزل میں ہے کہ روئے زمین پر ہر پانچواں شخص اسلام کو ماننے اور کلمہ توحید پڑھنے والا نظر آتا ہے۔

(یہ مقالہ ۲۰/اپریل ۱۹۹۷ء کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے تحت منعقدہ ’’محاضراتِ قرآنی‘‘ میں پڑھا گیا)

ہماری ویب سائٹ
www.tanzeem.org
پر ملاحظہ کیجیے:
☆ تنظیم اسلامی کا تعارف
☆ بانی تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا مکمل دورۂ ترجمۂ قرآن
☆ بانی تنظیم اسلامی اور امیر تنظیم اسلامی کے مختلف خطابات
☆ تلاوتِ قرآن‘ دروسِ قرآن‘ دروسِ حدیث اور خطاباتِ جمعہ
☆ صحیح بخاری‘ صحیح مسلم‘ موطا امام مالک اور اربعین نوویؒ کے تراجم
☆ میثاق‘ حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے
☆ اردو اور انگریزی کتابیں
☆ آڈیو/ویڈیو کیسٹس/سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست
Visit us at www.tanzeem.org

21 دسمبر 2012ء

"حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے!"

حافظ محمد زبیر

آج کل مغربی معاشروں میں اس تاریخ کے حوالے سے کافی بحث وتحقیق اور مکالمہ ومباحثہ جاری ہے۔ مغربی مفکرین اور سکالرز کی ایک جماعت کا پُرزور اصرار یہ ہے کہ یہ دن اس دنیا کی تباہی و بربادی یا ایک نئے زمانے کے آغاز یا قیامت کا دن ہے۔

مغرب میں یہ دعویٰ کرنے والوں میں ایسے اہلِ علم بھی ہیں جن کا تعلق سائنس اور سائنسی علوم سے ہے' جبکہ دوسری طرف ان مدعیین میں ایسے مفکرین بھی موجود ہیں جو مذہب اور اہلِ مذہب کے نمائندے شمار ہوتے ہیں۔ اس موضوع پر مغرب میں کئی ایک کتابیں لکھی جا چکی ہیں' مثلاً آن لائن شاپنگ کی معروف ویب سائیٹ www.amazon.com پر درج ذیل کتب کا تعارف اور ان پر تبصرہ جات موجود ہیں:

1- The Mystery of 2012: Predictions, Prophecies, and Possibilities
2- The Complete Idiot's Guide to 2012
3- Fractal Time: The Secret of 2012 and a New World Age
4- Apocalypse 2012: An Investigation into Civilization's End
5- Planet X Forecast and 2012 Survival Guide
6- Maya Cosmogenesis 2012: The True Meaning of the Maya Calendar End-Date
7- 2012: The War for Souls
8- 2012: The Return of Quetzalcoatl

9- 2012 and the Galactic Center: The Return of the Great Mother
10-How to Survive 2012: Tactics and Survival Places for the Coming Pole Shift
11-2013: The End of Days or a New Beginning
12-Envisioning the World After the Events of 2012
13-Toward 2012: Perspectives on the Next Age
14-The Mayan Prophecies for 2012
15-The Orion Prophecy: Will the World Be Destroyed in 2012?
16-Mayan Prophecy 2012
17-The World Cataclysm in 2012: The Maya Countdown to the End of Our World

اسی طرح ایک سروے رپورٹ کے مطابق اس وقت تقریباً ساٹھ ہزار ویب سائیٹس پر اس تاریخ کو ہونے والے واقعات کی پیشین گوئیوں کے بارے میں مواد اور لٹریچر موجود ہے۔ بعض ویب سائیٹس تو ایسی ہیں جو خاص اسی موضوع کے مواد پر ہی مشتمل ہیں۔ ذیل میں ہم چند ایک ایسی ویب سائیٹس کے ایڈریس پیش کر رہے ہیں:

www.december212012.com
www.21122012.net
www.december2012endofworld.com
www.december-21-2012.cam
www.2012hoax.org
www.2012changesarenow.com
www.2012rising.com

ان میں سے بعض ویب سائیٹس پر تو باقاعدہ کاؤنٹ ڈاؤن بھی لگے ہوئے ہیں اور ساتھ ہی یہ پیغام بھی دکھایا جا رہا ہے کہ یہ کاؤنٹ ڈاؤن اس دنیا کے خاتمہ تک جاری ہے اور اس دنیا کے خاتمہ میں اتنے دن' گھنٹے' منٹس اور سیکنڈز باقی ہیں۔

علاوہ ازیں 2012ء کے نام سے ایک فلم بھی بنائی گئی ہے' جس میں دنیا کو تباہ ہوتے دکھایا گیا ہے۔ اس فلم نے ریکارڈ بزنس کیا ہے اور ایک رپورٹ کے مطابق اس فلم

(movie) نے تقریباً 770 ملین ڈالر کمائے ہیں۔ اس کی دیکھا دیکھی اب اس موضوع پر ایک اور فلم بھی تیار ہو رہی ہے۔ اسی طرح امریکہ میں کچھ ایسی فرمز (firms) بھی وجود میں آ گئی ہیں جو اس دن کی تباہی سے بچنے کے لیے بنکرز اور زیرِ زمین پناہ گاہیں تیار کر کے فروخت کر رہی ہیں۔

اس تمہید کے بعد ذیل میں ہم اہلِ سائنس اور اہلِ مذہب کے ہاں اس تاریخ میں ہونے والی ممکنہ تباہی کے بارے میں مزعومہ تصوّرات اور مفروضہ نظریات و تحقیقات کا ایک اجمالی جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

2012ء اہلِ سائنس کی نظر میں

21 دسمبر 2012ء کو اس دنیا میں ایک عظیم تباہی و بربادی واقع ہو گی' اس بارے میں سائنسدانوں کی انفرادی' اجتماعی اور ادارہ جاتی تحقیقات کو بطور شواہد پیش کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں قدیم مایان تہذیب کے سائنسدانوں اور امریکہ کے خلائی تحقیق کے ادارے 'ناسا' کا نام بطور خاص لیا جاتا ہے۔

مایان تہذیب کی پیشین گوئیاں: مایا' ریاضی' فلکیات اور انجینئرنگ میں انتہائی ترقی یافتہ قوم تھی اور اس کا زمانہ عروج 2000 قبل مسیح سے 250ء تک کا ہے۔ اس قوم نے 'لانگ کاؤنٹ کیلنڈر' کے نام سے ایک کیلنڈر بنایا تھا جو 5125.36 سالوں پر مشتمل ہے۔ اس کیلنڈر کی ابتدا 31 اگست 3114 ق م میں ہوئی اور اختتام 21 دسمبر 2012ء کو ہو رہا ہے۔ اس کیلنڈر کا نام 'ورلڈ ٹائم کیلنڈر' بھی ہے۔ اس کیلنڈر کا سراغ 609 قبل مسیح سے ملتا ہے۔ مایا نے دراصل تین قسم کے کیلنڈر استعمال کیے تھے۔ ایک شمسی نظام کے مطابق 365 دن کا شمسی کیلنڈر اور دوسرا 260 دن کا مذہبی کیلنڈر تھا۔ تیسرا کیلنڈر 'ورلڈ ٹائم کیلنڈر' ہے جو تقریباً 5126 سالوں پر مشتمل ہے۔ اس کیلنڈر کی بنیاد اجرامِ فلکی اور سیاروں کی چال کے بارے میں ان کی مہارت اور معلومات تھیں۔ ان کی تحقیق کے مطابق 21 دسمبر کو گیارہ بج کر گیارہ منٹ پر زمین اور کہکشاں کے مراکز ایک لائن میں آ جائیں گے اور اس سے کرۂ ارض پر بڑی تبدیلیاں رونما ہوں گی۔ اس کیلنڈر کے مطابق یہاں سے ایک نئے دور کا آغاز ہو گا۔

Maya Cosmogenesis 2012: The True Meaning of the Maya Calendar End-Date

نامی کتاب کے تبصرہ نگار لکھتے ہیں:

While researching the 2012 end-date of the Maya Calendar, John Major Jenkins decoded the Maya's galactic cosmology. The Maya discovered that the periodic alignment of the Sun with the center of the Milky Way galaxy is the formative influence on human evolution. These alignments also define a series of World Ages. The fourth age ends on December 21, 2012, when an epoch chapter in human history will come to an end. Maya Cosmogenisis 2012 reveals the Maya's insight into the cyclic nature of time, and prepares us for our own cosmogenesis--the birth of a new world.

اس کیلنڈر کے مطابق وقت کی نوعیت ایک دائرے (circle) کی سی ہے' جس کا نقطۂ آغاز و انتہا ایک ہی ہے۔ اسی طرح کتاب "2012: The War for Souls" کے تبصرہ نگار لکھتے ہیں:

December 21, 2012, may be one of the most watched dates in history. Every 26,000 years, earth lines up with the exact center of our galaxy. At 11:11 on December 21, 2012, this event happens again, and the ancient Maya calculated that it would mark the end, not only of this age, but of human consciousness as we know it.

اس قوم کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس قوم نے جو بھی پیشین گوئیاں (predictions) کی ہیں' وہ آنے والے اوقات میں کافی حد تک صحیح ثابت ہوئی ہیں۔ ان کی یہ پیشین گوئیاں ان کے تہذیبی آثار میں تصاویر کی صورت میں موجود ہیں۔ اس قوم کا کہنا تھا کہ انہیں 21 دسمبر 2012ء کے بعد کچھ نظر نہیں آتا ہے۔

معاصر سائنسدانوں کی تحقیقات: امریکہ کے خلائی تحقیق کے ادارہ ناسا (NASA) کے مطابق سورج اپنے مدار کے گرد گیارہ سال میں ایک چکّر مکمل کرتا ہے اور 2012ء میں ایرس (Eris Planet X) نامی سیارہ سورج کے قریب آ جائے گا' جس کی کشش کی وجہ سے سورج

اپنا رخ تبدیل کر لے گا۔ ایسا ہونے کی وجہ سے سورج کی منفی لہریں زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گی اور زمین پر شمسی طوفان آ جائے گا۔ ایرس سیارے کے بارے میں یہ تحقیقات بھی سامنے آئی ہیں کہ یہ سیارہ 3600 سال بعد سورج کے سامنے آتا ہے۔

مارچ 2004ء میں ناسا (NASA) نے اسے ہمارے نظامِ شمسی کے دسویں سیارہ کے طور پر متعارف کروایا اور اس کا نام سیڈنا (Sedna) رکھا۔ بعض سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ 2012ء میں یہ سیارہ مریخ اور مشتری کے مابین سے گزرے گا اور اس کا فاصلہ زمین سے قریب ترین ہو گا۔ بعض لوگوں کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ ناسا نے 2005ء سے ایک جوہری سٹیلائٹ میزائل 'ڈیپ امپیکٹ' (Deep Impact) تیار کرنا شروع کر دیا ہے جو اس سیارہ پر فائر کیا جائے گا۔ اس نام سے ایک انگلش فلم بھی تیار کی گئی ہے جس میں روس کے بارے میں بھی یہ امکانات پیش کیے جا رہے ہیں کہ وہ اس سیارے پر جوہری حملہ کرے گا۔ اس جوہری حملے میں یہ امکان بھی دکھایا جا رہا ہے کہ اس سیارے کا ایک تباہ شدہ حصہ زمین سے آ ٹکرائے' جس سے زمین کا ایک تہائی حصہ آگ لگنے سے تباہ ہو جائے اور دنیا دوبارہ پتھر کے زمانے میں لوٹ جائے۔

The Orion Prophecy: Will the World Be Destroyed in 2012?
نامی کتاب کا تبصرہ نگار لکھتا ہے:

In the year 2012 the Earth awaits a super catastrophe: its magnetic field will turn over in one go. Phenomenal earthquakes and tidal waves will completely destroy our civilisation. Europe and North America will shift thousands of kilometres northwards into polar climate. Nearly the whole earth's population will perish in the apocalyptic happenings. These dire predictions stem from Mayans and Egyptians -- descendants of the legendary Atlantis. The Atlanteans had highly evolved astronomical knowledge and were able to exactly calculate the previous world-wide flood in 9792 BC. They built tens of thousands of mandjits and escaped to South America and Egypt. In the year

2012 Venus, Orion and several other stars will take the same 'code positions' as in 9792 BC, the year of the previous cataclysm! For thousands of years historical sources have told of a forgotten time capsule of ancient wisdom located in a mythical labyrinth of secret chambers filled with artefacts and documents from the previous flood -- this book gives one possible location.

بعض معاصر سائنسدانوں نے بھی دسمبر 2012ء کو کئی اعتبارات سے ہماری اس زمین کے لیے بہت زیادہ سیکورٹی رسک کا زمانہ قرار دیا ہے۔ بعض اہلِ سائنس کے مطابق ایک سیارہ نبرو (Nibru) یا پلینیٹ ایکس (Planet X) زمین کے قریب سے گزرے گا اور اپنی کششِ ثقل سے زمین کے محور (poles) میں تبدیلی کر دے گا' یعنی قطبِ شمالی کو قطبِ جنوبی اور قطبِ جنوبی کو قطبِ شمالی بنا دے گا اور زمین 180 ڈگری گھوم جائے گی۔ اس سیارے کے گزرنے سے طوفانی لہریں ساحلوں کو تباہ کر دیں گی' آتش فشاں پھٹ جائیں گے اور زلزلے برپا ہوں گے۔ بعض لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ یہ سیارہ جنوب کی جانب سے ہمارے نظامِ شمسی میں داخل ہو چکا ہے اور اس کے اثرات جنوب میں واقع براعظم آسٹریلیا پر پڑنے شروع ہو گئے ہیں۔ اسی طرح "Mayan Prophecy 2012" نامی کتاب کا تبصرہ نگار لکھتا ہے:

Famed for the accuracy of their astronomy and the sophistication of their measurement of time, the ancient Mayan civilization has been recognized as one of the most important ever to have existed. According to recently decoded stone monuments and manuscripts the Mayans believed a cataclysmic change will affect the planet on 22 December 2012. On this date the fifth great cycle of time which began on August 11th 3113 BCE will come to a violent end. In this comprehensive book, expert author David Douglas presents compelling evidence for the accuracy of the Mayan calendar in predicting major

events in world history and examines the latest scientific research that suggests events such as magnetic field changes and solar flares will indeed culminate in 2012; events which could result in catastrophe for our planet.

بعض سائنسی حلقوں کی طرف سے یہ امکان بھی پیش کیا جا رہا ہے کہ 21 دسمبر 2012ء کو زمین اور کہکشاں کے مراکز ایک ہی قطار میں ہوں گے جس کے باعث زمین پر ناگہانی آفات نازل ہوسکتی ہیں۔

1999ء میں ویب بوٹ (web bot) کے نام سے ایک ٹیکنالوجی یا سافٹ ویئر متعارف کروایا گیا جو انٹرنیٹ اور کمپیوٹر پر موجود تمام معلومات کو جذب (absorb) کر کے انسانی لاشعور کو پڑھنے کی کوشش کرتا ہے اور انسان اور اس دنیا کے مستقبل کے بارے میں ان تمام معلومات کی روشنی میں مختلف پیشین گوئیاں کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی پیشین گوئیاں اکثر وبیشتر درست ہوتی ہیں اور اس ٹیکنالوجی نے 9/11 کے بارے میں بھی پیشین گوئی کی تھی۔ اس سافٹ ویئر نے بھی 2012ء میں ایک سیارے کے زمین کے ساتھ ٹکرانے اور ایٹمی جنگ کے آغاز کی پیشین گوئی کی ہے۔

2012ء اہلِ مذہب کی نظر میں

ہندو مذہب کے بعض سکالرز کا کہنا ہے کہ 2012ء میں کل یگ ختم ہو جائے گا اور ست یگ دوبارہ شروع ہوگا' اور یہ دھرم بدلنے کا وقت ہوگا۔ 'یگ' زمانہ کو کہتے ہیں اور ہندو مذہب کے مطابق زمانے کل چار ہیں۔ پہلے 'ست یگ' تھا' یعنی حق ہی حق تھا' پھر 'تریتا یگ' آیا' پھر 'دواپر یگ' آیا' پھر 'کل یگ' آیا' اور اب اس کے خاتمہ کے بعد دوبارہ سے 'ست یگ' یعنی حق کا دور آئے گا۔ ہندومت کے مطابق 'کل یگ' کا آغاز 3012 قبل مسیح میں ہوا اور 'کرشنا' نے 'کل یگ' کی عمر 5 ہزار سال بتلائی ہے۔ ہندوؤں کی ایک بڑی تعداد 'کرشنا' کی اس پیشین گوئی کو ایک کہانی سے زیادہ حیثیت دینے کو تیار نہیں ہے۔

اسی طرح بدھ مت کے 'تبت' کے ورژن (version) میں بعض راہبوں کے مطابق بدھا کی پیشین گوئی کے روشنی میں 2012ء میں ایک سنہری دور (golden age) کا آغاز ہوگا۔ بعض بدھ مذہب رہنماؤں (monks) کا یہ بھی کہنا ہے کہ ان کے کشف کے مطابق 2012ء میں

ایٹمی جنگ ہوگی اور اس کے بعد دنیا ہی دو حصوں میں تقسیم ہونا شروع ہو جائے گی۔

علاوہ ازیں یہود کی تاریخی روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مصر میں بخت نصر کے بعد 'نبپوشا نے زار' نامی بادشاہ ہوگزرا ہے۔ اس نے طویل خواب دیکھا کہ جس کی تعبیر بتلانے سے کاہن عاجز آ گئے تو حضرت دانیال علیہ السلام نے اس کی مفصل تعبیر بیان کی تھی' جس میں قیامت تک کے واقعات کا تذکرہ تھا۔ شام میں 'بصریٰ' کے قریب 'تُستر' نامی شہر تھا جہاں ہرمزان بادشاہ کے خزانے کی تلاشی کے دوران ایک تابوت ملا' جس میں ایک میت' ایک صحیفہ' ایک انگوٹھی اور دس ہزار درہم وغیرہ رکھے تھے۔ اس میت کے بارے میں یہ معروف ہوا کہ یہ حضرت دانیال علیہ السلام ہیں۔ بعض تاریخی روایات کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں انہیں بیری کے پتوں سے غسل دینے کے بعد دفنانے کا حکم جاری کیا گیا اور اس صحیفہ کا ترجمہ کعب الاحبار نے کیا جس میں مستقبل کی پیشین گوئیاں موجود تھیں۔ ڈاکٹر سفر الحوالی کا کہنا یہ ہے کہ ان پیشین گوئیوں کے مطابق ایک ناپاک ریاست 1967ء میں قائم ہوگی اور 45 سال تک قائم رہے گی اور یہ سن 2012ء کا ہے۔ ڈاکٹر سفر الحوالی نے اس سال کو ناپاک ریاست کے زوال کی ابتدا قرار دیا ہے۔ ناپاک ریاست سے ڈاکٹر سفر الحوالی نے 'اسرائیل' کی ریاست مراد لی ہے۔

عیسائیوں کے ایک گروہ کے نزدیک 2012ء میں آرمیگا ڈان ہوگی اور عیسائیوں کو ریپچرڈ (reptured) کر دیا جائے گا' یعنی 2012ء سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں سے تشریف لائیں گے اور اپنے متّبعین کو آسمانوں پر لے جائیں گے' اور شریر لوگوں پر قیامت قائم ہوگی۔ بعض عیسائی محقّقین کے نزدیک بائبل میں ایسے اشارے ملتے ہیں کہ 2010ء اور 2012ء کے درمیانی عرصہ میں ایک سیارہ 'وام ورڈ' بحراوقیانوس پر اثر انداز ہوگا اور بڑے پیمانے پر سیلابی طوفان آئیں گے۔ اس وقت عیسائی دنیا میں اس بارے میں جو فلمیں بنائی جارہی ہیں ان میں بھی پانی کے عذاب یا تباہی کا تذکرہ زیادہ ملتا ہے۔ شاید اسے طوفانِ نوح کے ساتھ مشابہت دینے کی کوشش کی جارہی ہے جس میں ساری دنیا ایک مرتبہ تباہ ہوگئی تھی۔

انفرادی پیشین گوئیاں

'ناسٹراڈومس' فرانس کا یہودی تھا جو بعد میں عیسائی ہوگیا۔ اس شخص نے پندرہویں صدی عیسوی سے قیامت تک کی پیشین گوئیاں کی ہیں جو مغرب میں بہت معروف ہیں۔ ناسٹراڈومس کا کہنا ہے کہ 1999ء میں نہ ختم ہونے والی جنگوں کا آغاز ہوگا اور 2012ء میں تیسری

جنگ عظیم ہو گی۔ اس نے یہ پیشین گوئی بھی کی کہ ایک سیارہ سات دن تک آسمان پر نظر آئے گا‘ آسمان پر بادل چھا جائیں گے اور دو سورج نظر آئیں گے‘ اور ویٹی کن اس کے اثرات سے تباہ ہو جائے گا۔

اسی طرح شاہ نعمت اللہ بخارہ کے سید تھے۔ انہوں نے تقریباً 547ھ میں دو ہزار اشعار پر مشتمل ایک فارسی قصیدہ لکھا جس میں مستقبل کے بارے میں اپنے کچھ الہامات کا تذکرہ کیا ہے۔ انہوں نے اپنے ان اشعار میں جنگ عظیم اوّل‘ دوم اور سوم کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ ان پیشین گوئیوں کے مطابق ایک تیسری جنگ عظیم بہت ہی قریب ہے‘ جس میں اس دنیا کا ایک بڑا حصہ تباہ ہو جائے گا۔

اسلام کا نقطۂ نظر

دینِ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کی بعثت کے بعد قیامت کا دن نہایت ہی قریب ہے‘ لیکن اس کا متعین وقت انبیاء و رسل کو بھی نہیں بتلایا گیا ہے‘ لہٰذا اس کے متعین وقت کی پیشین گوئی کرنے کی حیثیت ایک حماقت سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝١﴾ (القمر)

’’قیامت کی گھڑی قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔‘‘

سورۃ الانبیاء میں ارشاد ہے:

﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝١﴾

’’لوگوں کے لیے ان کے حساب کا وقت قریب آ گیا جبکہ وہ غفلت میں پڑے اعراض کر رہے ہیں۔‘‘

سورۂ محمد میں فرمایا:

﴿فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ۝١٨﴾

’’پس نہیں وہ انتظار کر رہے لیکن قیامت کا کہ وہ ان کے پاس اچانک آئے گی۔ پس اس کی نشانیاں تو آ چکی ہیں۔ جب وہ قیامت آ جائے گی تو انہیں نصیحت حاصل کرنا کیا کام آئے گا؟‘‘

دینِ اسلام کے مطابق قیامِ قیامت ایک بنیادی عقیدہ ہے‘ لیکن اس کے وقوع سے پہلے ان نشانیوں کا پورا ہونا لازم ہے جن کی کتاب و سنّت نے پیشین گوئی کی ہے‘ مثلاً ظہورِ مہدی‘ خروجِ دجال‘ آمدِ مسیح علیہ السلام‘ یاجوج و ماجوج کا نکلنا‘ دابۃ الارض کا نکلنا‘ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا‘ وغیرہ۔

اہم تر سوال تو یہ ہے کہ کیا زمین کی تباہی و بربادی کا یہ دن محض سیاروں کے عمل دخل کے سبب سے ہو گا یا زمین پر بسنے والی مخلوق کے اعمال کا نتیجہ ہو گا۔ اہلِ مغرب تو اس عظیم ممکنہ تباہی کو سراسر ایک سائنسی تبدیلی کے طور پر دیکھ رہے ہیں جبکہ ہمارے تجزیہ کے مطابق غالب امکان یہ ہے کہ امریکہ یا مغرب پر ان کے ظلم و ستم کے سبب سے ربّ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف عذاب کا ایک شدید کوڑا برسنے والا ہے‘ جس میں عین ممکن ہے کہ فرعونِ وقت یعنی جزیرہ نما امریکہ کو سمندری طوفانوں وغیرہ کے ذریعے اس کے لاؤ لشکر سمیت سمندروں میں غرق کر دیا جائے اور تاریخ انسانی کی اسی عظیم تباہی کے بارے میں ماضی کے متفرق مذاہب نے پیشین گوئی کی ہو۔ آج اہلِ مذہب جہاں اس عظیم تباہی کو قیامت کا نام دے رہے ہوں تو وہاں اہلِ سائنس اس کی تباہی و بربادی کی سائنسی توجیہات پیش کر رہے ہوں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝٦ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝٧ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝٨ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝٩ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۝١٠ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝١١ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝١٢ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝١٣ اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝١٤﴾ (الفجر)

’’کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ آپ کے رب نے قومِ عاد کے ساتھ کیا کیا؟ یہ قوم ارم ستونوں والی تھی کہ ان جیسی (طاقتور) قوم اس سے پہلے شہروں میں پیدا ہی نہیں کی گئی۔ اور (آپ نے) قومِ ثمود (پر بھی غور نہیں کیا) کہ جنہوں نے وادی میں چٹانوں کو تراش کر گھر بنائے۔ اور قومِ فرعون جو میخوں والی تھی‘ جنہوں نے شہروں میں سرکشی پھیلائی اور خوب فساد برپا کیا۔ پس ان قوموں پر آپ کے رب کے عذاب کا کوڑا پڑا۔ بلاشبہ آپ کا رب (مجرموں کی) گھات میں ہے۔‘‘

اگر تو یہ عذابِ الٰہی ہے تو اس سے بچنے کا واحد راستہ ایمان اور اطاعت کا ہے‘ اور اس سے بچاؤ کے لیے جوہری ہتھیار تیار کرنا یا زیر زمین پناہ گاہیں تیار کرنا اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی کام نہ آئیں گی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ﴾ (الحشر:۲)

''اورانہوں نے یہ گمان کیا کہ ان کے قلعے انہیں اللہ کے مقابلہ میں بچالیں گے' پس اللہ تعالیٰ ان پر وہاں سے آیا جہاں سے انہیں گمان بھی نہ تھا۔''

ہمارے خیال میں اس تاریخ میں مزعومہ دعاوی کی حقیقت مفروضات سے زیادہ کچھ نہیں ہے اور اس بارے میں اس پیغام کو عام کرنے کی ضرورت ہے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک کا مقابلہ کرنے کے بجائے اس کی اطاعت وفرمانبرداری کے راستے کے ذریعے ہی کوئی قوم اپنے کرتوتوں کے سبب نازل ہونے والے عذاب سے بچاؤ حاصل کرسکتی ہے۔ ہر زندہ شے کو زوال لازم ہے اور اس کائنات نے بھی ایک دن مکمل تباہی وبربادی سے ہمکنار ہونا ہے' اور یہی قیامت کا دن ہے۔ اس دن کے بعد ہمیں دوبارہ جی اٹھنا ہے اور اپنے رب کے حضور اپنے اعمال کے حساب وکتاب کے لیے پیش ہونا ہے' جس کے بعد یا تو ابدی جنت ہے یا پھر ہمیشہ ہمیشہ کی جہنّم انسان کا مقدّر ہوگی۔

مصادر و مراجع

www.december212012.com
www.21122012.net
www.december2012endofworld.com
www.december-21-2012.com
www.2012hoax.org
www.2012changesarenow.com
www.2012rising.com
http://www.hamariweb.com/articles/article.aspx?id=5232
http://video.google.ca/videoplay?docid=-4513491401252598666#

☆☆☆

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث نبویؐ آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور دعوت وتبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے۔ لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

بقیہ: عرضِ احوال

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ جب میری اُمت میں ۱۵ خصلتیں پیدا ہوجائیں گی تو اس پر عذاب نازل ہوں گے۔ آپ ﷺ نے جو خصلتیں بیان کیں ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔ جب مالِ غنیمت یا بیت المال کا پیسہ حکمرانوں کے ہاتھوں میں گردش کرنے لگے۔ لوگ امانت کو مالِ غنیمت بنا لیں۔ قوم کا سردار یا حکمران ان کا ذلیل ترین آدمی ہو۔ آدمی کی عزت اور اس کا احترام اس کے شر سے بچنے کے لیے کیا جائے۔ مرد ریشمی لباس پہننے لگیں۔ گانے بجانے والیاں اور آلات موسیقی عام ہوجائیں۔

قارئین کرام! فیصلہ کریں کہ یہ خصلتیں آج ہم میں بدرجہ اتم موجود ہیں یا نہیں؟ —— ہمیں کوئی ضد نہیں ہے کہ ہم اِن سے تسلیم کروائیں کہ یہ عذاب الٰہی ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر قوم کو' خصوصاً اِن بڑوں' لیڈروں اور سرداروں کو احساس اور ادراک ہی نہیں ہوگا کہ وہ اپنے گناہوں کی بنا پر عذاب کی لپیٹ میں ہیں تو توبہ کی طرف کس طرح آئیں گے! وہ ایسے کام کرنے سے باز کیسے آئیں گے' جن سے اللہ کا غضب بھڑک اُٹھتا ہے!!

کراچی میں بارش کے آغاز میں ہم نے یہ خبر سنی کہ بہت سے خاندان بادلوں کو آسمان پر تیرتے ہوئے دیکھ کر ساحل سمندر پر پکنک منانے اور موسم سے لطف اندوز ہونے کے لیے پہنچ گئے۔ جب شدید بارش نے تباہی مچائی تو ہمارا ذہن سورۃ الاحقاف کی آیت ۲۴ کی طرف منتقل ہوگیا' جس میں قومِ عاد پر عذاب کا ذکر ہے' جو عذابِ الٰہی کی آندھی کے لیے اُٹھنے والی گھٹا کو برساؤ بادل سمجھ بیٹھی تھی۔ (ترجمہ) ''پھر جب انہوں نے اس (عذاب کو) دیکھا کہ بادل (کی صورت میں) ان کے میدانوں کی طرف آرہا ہے تو کہنے لگے یہ تو بادل ہے جو ہم پر برس کر رہے گا۔ (نہیں) بلکہ (یہ) وہ چیز ہے جس کے لیے تم جلدی کرتے تھے' یعنی آندھی جس میں درد دینے والا عذاب بھرا ہوا ہے۔''

ہم قرآن حکیم پر غور کریں اور اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کریں تو کبھی بندگلی میں داخل نہیں ہوں گے۔ اللہ رب العزت سورۃ التحریم آیت ۸ میں فرماتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ﴾

''اے اہل ایمان! اللہ کی جناب میں توبہ کرو' سچی اور خالص توبہ''۔

علماء کرام نے توبہ کی بہت سی شرائط بیان کی ہیں' ہم یہاں دو اہم ترین شرائط کا ذکر کیے دیتے ہیں۔ اولاً یہ کہ انسان اپنی مذمت کرے اور دل میں شرمندگی محسوس کرے کہ وہ اللہ کا بندہ ہونے کے باوجود اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی کرتا رہا ہے۔ ثانیاً یہ کہ مصمم ارادہ کرے کہ وہ آئندہ ایسے اعمال کبھی نہیں دہرائے گا' کبھی اِس طرف رخ بھی نہیں کرے گا' بلکہ اِن کا خیال بھی ذہن میں آئے تو اُسے جھٹک دے گا' اور اللہ سے گڑگڑا کر دعا کرے کہ وہ اُس کے سابقہ گناہ معاف کردے' وہ آئندہ اپنے رب کا بندہ بن کر زندہ رہے گا۔ یہ توبہ نجی اور اجتماعی دونوں سطح پر ہونی چاہیے۔ اگر قوم اپنے اصل راستے سے انحراف کرکے غلط موڑ مڑ چکی ہے تو وہ صراطِ مستقیم پر از سرِ نو گامزن ہو۔ تب تو اللہ ربّ العزت کی رحمت سے توقع ہے کہ وہ انسان کو ڈھانپ لے' اپنی پناہ میں لے لے اور کشتی کو منجدھار سے نکال کر ساحل سے لگادے۔ یاد رکھیں' انسان ہمیشہ گناہوں پر اصرار سے تباہ وبرباد ہوا ہے۔ آیئے' اشتہاری اور نمائشی قسم کی توبہ کی بجائے خلوص دل سے توبہ کرتے ہوئے طے کریں کہ زندگی کا رخ بدل دیں گے' اور روپیہ و دینار کی غلامی کی بجائے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی غلامی اختیار کریں گے۔ نجی سطح پر بھی زندگی میں احکامِ شریعت کی پابندی کریں گے اور اجتماعی سطح پر بھی اللہ کا دیا ہوا وہ نظام ملک میں نافذ کریں گے جو عدل وقسط پر مبنی ہے۔ ہمیں قومِ عاد کا نہیں' قومِ یونسؑ کا طرزِ عمل اپنانا ہوگا!

☆☆☆